آبشار
فیض

فیض

اُردو مجلس پبلشرز مٹیا محل
دھلی

قیمت مجلد ۸ ؍

طبع اوّل
اپریل سنہ ۱۹۴۴ء

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

تعداد
۱۲۵۰

انتساب

میں اپنی ان ناچیز ادبی کاوشوں کو جو میری عمرِ رفتہ کی
یادگار اور جذباتِ مخلص کی آئینہ دار ہیں

جناب

لالہ شنکر لال صاحب بی، اے مینجنگ ایجنٹ دہلی کلاتھ مل
و رئیسِ اعظم دھلی کے اس نامِ نامی و اسمِ گرامی پر

معنون

کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں جس سے
بنیادِ علم و ادب استوار اور اساسِ شعر و سخن پائیدار رہے

"برگِ سبز است تحفۂ درویش"

فیض جھنجھانوی

نذر

بعالیحضرت جناب کنور مہندر سنگھ صاحب بیدی سحر

گل فروشِ انجم بداماں، عارضِ گنگ و جمن
ضو بدل، جلوہ بکف آئینۂ نیل و فرات
یوں نکلتی ہے نیامِ شب سے شمشیرِ سحر
جس طرح تاریکیوں سے چشمۂ آبِ حیات

فیض

فہرست

انتخابِ فیض

سنہ عیسوی

جب نکتہ سنج از دل و جاں گشتہ فیض مشتہری

شد طبع چوں کلام ہمہ بانعت ما عزیز عرفان رب کا

شیفتہ فضائے درِ ضیاء انتخاب فیض

تاریخ طبع گفت ضیاء

ضیاء الاسلام ضیاء

مقدمہ

مجھے قدرت نے ہمیشہ امید سے زیادہ اور حیثیت سے بڑھ کر عزتیں بخشیں مگر سب سے بڑا اعزاز جس کا میں یقیناً کسی عنوان سے مستحق نہیں یہ ہے کہ مجھے حضرتِ فیض جھنجھانوی جیسے نازشِ روزگار و قادر الکلام شاعر کا مقدمہ کلام لکھنے کیلئے منتخب کیا گیا جو نہ صرف علم و فضل میں مجھ سے کہیں آگے بلکہ بحیثیتِ انسان بھی بلند ہیں۔ اگر یہ وکالتِ بخت نہیں تو پھر کیا ہے۔

مصوری نے جب بساطِ کاغذ کو تنگ اور دامنِ رنگ کو مختصر پایا تو مرقعۂ مانی و بہزاد کو چھوڑ صنم کدۂ آذری سجایا۔ مجسمے بنائے، بت تراشے، وہ کمالِ دستکاری دکھایا کہ پتھر میں خدا نظر آیا۔ اسی طرح موسیقی نے جب شرابِ آہنگ کو بے کیف اور پیمانۂ صوت کو بیرنگ دیکھا تو دبستانِ زیر و بم سے نکل گلستانِ شعر و سخن کو اپنا جلوہ گاہ بنایا۔ طبعِ رنگیں نے وہ وہ گل بوٹے کھلائے کہ باغِ ارم خجل۔ شگفتہ خیالی نے وہ وہ چمن بندیاں کیں کہ فردوسِ بریں منفعل۔ مصور کی قلم کاریاں محسوساتِ نظر تک محدود، بت تراش کی چابکدستیاں مرئیات و مادیات کی ممنون مگر شاعر نے جذبات و واردات کے وہ وہ غیر فانی مرقع، اور خیالات و احساسات کے وہ وہ زندۂ جاوید مجسمے تیار کئے کہ سرمایۂ تسکینِ روح اور گنجینۂ آرامِ جاں کہلائے۔ عرب نے کہا "الشعراء تلامیذ الرحمٰن"۔ ایران بولا "شاعری جزویست از پیغمبری"۔ ہندوستان نے آواز دی "شاعرِ رنگیں نوا ملہم ہے شعر الہام ہے"۔ مگر کچھ عرصہ سے یہ ندائے غیبی مبہم اور سازِ حقیقت خاموش تھا مطربانِ علم و ادب نا آشنائے فن، رامشگرانِ شعر و سخن محرومِ کمال، حرمِ معجز بیانی میں سومناتِ

یادہ گوئی کعبۂ حسن و محبت میں لات و منات بے حیائی۔

یہ سنتِ الٰہی ہے کہ جب خزاں پر بہار، سینۂ گل چاک اور دامنِ رنگ و بو تار تار ہو تو کوئی شیرازہ بندِ گلستاں نویدِ تبسم دیتا ہے۔ لہٰذا یہ تاریکی بے ہنری و ظلمتِ بے راہ روی کب تک کافور ہوتی مشیت کا ایما ہوا، فطرت نے اشارہ دیا۔ کارکنانِ قضا و قدر نے ایک پیغمبرِ سخن کے مبعوث ہونے کا اعلان کیا۔ جلوۂ حقیقت سے رنگِ مجاز سیماب پا ہوا۔ ترصیع کے موتی جگمگائے تشبیہ و استعارہ کے پھول مسکرائے، لف و نشر نے بالترتیب رازہائے سربستہ کھولے، صنائع و بدائع نے بڑھ کر قدم لئے معجز بیانی و نازک خیالی نے خوش آمدید کہا اور ایک صحیفۂ جنون و حکمت فکر و نظر کی بلندیوں سے آبشار بن کر قلب و روح کی گہرائیوں پر نازل ہوا۔ یہ ہے فیض کا مجموعۂ کلام جو آج بصد آب و تاب منصۂ شہود پر جلوہ گر ہے۔

فیض صاحب کا مولد تو ضلع مظفر نگر کا مشہور قصبہ شاہ پور ہے جہاں آپکے والد محترم قبلہ حکیم حاجی ظہور احمد صاحب بسلسلہ ملازمت و طبابت ایک عرصہ دراز سے مقیم ہیں مگر آبائی وطن ہونے کا شرف جھنجھانہ کو حاصل ہے گو یہ قصبہ اپنی روایات گذشتہ کی بنا پر بھی کچھ کم مشہور نہیں مگر جہاں تک اس کی تاریخِ حال و مستقبل کا تعلق ہے فیض صاحب یقیناً اس کے ایک زریں ورق اور عنوان روشن ہیں جس پر ان کے ہموطن جس قدر بھی ناز کریں بجا اور فخر کریں کم ہے۔ آپنے ابھی اپنی زندگی کی ابتدائی منزلوں ہی میں قدم رکھا تھا کہ آغوشِ مادر کی رحمتوں سے ہمیشہ کیلئے محروم کر دیئے گئے۔ یہ کمی پوری نہ ہونیوالی کمی تھی مگر شفیق باپ کی محبت بے پایاں اور جہاں بینی و مہارت نے اسکو بہت کم محسوس ہونے دیا۔ اردو فارسی کی تعلیم باپ ہی کی خدمت میں رہکر حاصل کی اور اس حد تک حاصل کی کہ بعد میں اسکول سے لیکر کالج تک ان مضامین میں نہ کبھی تیاری کی ضرورت محسوس ہوئی نہ اعانت استاد کی مختلف محکموں میں ملازمتیں کیں مگر استقلال کہیں نصیب نہیں ہوا، اگر ہوا بھی تو اس محکمہ میں جو ان کے قول کے

بموجب اس قدر جاذب نہیں جس قدر غاصب ہے یعنی پولیس۔ آپ کا شوقِ شعر خوانی گو بہت پہلے ذوقِ شعر گوئی میں تبدیل ہو چکا تھا مگر شروع میں تعلیمی مشغولیتوں اور بعد میں ملازمت کی مجبوریوں نے کچھ عرصہ تک فکرِ شعر کی اجازت بہت کم دی، مگر جب خوگرِ آلام ہو کر بہت سی مشکلیں آسان ہو گئیں تو طائرِ خیال کو پرِ جبریل ملے، ہوسِ قابل پھر ذوق ہیچ خضرِ منزل، کون سدِ راہ ہوتا چشم زدن میں فرش سے عرش پر پہنچے، رونقِ مشاعرہ بنے، زینتِ انجمن ثابت ہوئے، اسی دوران میں راقم الحروف نے آپ کی ایک نظم شمس العلماء مولوی عبدالرحمن صاحب کو سنائی۔ فرمایا ہندوستان کی ناقدردانی کا برا ہو کہ اپنے زمانہ کا خاقانی کس حالت کس مپرسی میں پڑا ہے۔

مولانا کی صحت رائے میں شک ہی کیا ہو سکتا ہے، ندرت بیان، سلاست زبان، بلندیٔ تخییل، معنی آفرینی تشبیہ و استعارہ کی رنگا رنگی، صنائع بدائع کی بوقلمونی وہ نادرات ہیں جو دیگر شعراء میں بہت کم اور فیض میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ترنم و خوش آہنگی کے باغ پر بہار لہلہاتے اور لطافت و نزاکت کے شبستانِ رنگیں جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ تھکے ہوئے دماغوں کا مداوا، بجھی ہوئی روحوں کا علاج جہاں لمحۂ سرشاری مغنیہ اقدام جارحانہ، سے کیا وہاں جذبات و احساسات کی منجمد دنیا کو خونابۂ دل، بغاوت، قحطِ مروت کی گرمیوں سے پگھلایا۔ اگر بربطِ روح کو "نشترِ تثلیث پیوست رگِ اسلام ہے" کی مضراب سے چھیڑا تو دلِ خوابیدہ کو "لوحِ ہستی پر خراشِ ناخنِ انگریز ہے" کہہ کر احساسِ مجبوری کرایا

نغمۂ حکمت نعرۂ جنوں۔ متانتِ عقل و حکمت، شوخیٔ رندی و سرمستی، لال قلعہ کا فانوسِ بے شمع، جامع مسجد کا سجدۂ نامستجاب، قطب مینار کا علم بغاوت، اور مقبرۂ ہمایوں کا اعلانِ انتقام الغرض اس جامِ جہاں نما میں کیا نہیں، البتہ دلِ درد آشنا اور دیدۂ بینا شرط ہے۔

اکثر تہیدستانِ علم و ادب کو فیض صاحب سے شکوۂ ادق گوئی ہے۔ کاش انہیں معلوم ہو کہ فیض صاحب کا کلامِ بلیغ اس ادبِ عالیہ کا جزو ہے جو عوام کے لئے نہیں بلکہ خواص کے واسطے ہے۔

یہ ہے مبہم سا خاکہ اور پھیکی سی تصویر کلامِ فیض کی۔ کاش مجھے عدیم الفرصتی اس قدر اجازت دیتی کہ میں مصنف کے تمام رجحاناتِ شاعری، تنوعاتِ کلام، اور خصوصیاتِ زندگی پر کوئی مفصل و مشرح مقالہ سپردِ قلم کر کے شعرائے حال و ادبائے مستقبل کے لئے ایک صراطِ مستقیم تیار کر سکتا مگر افسوس وقت کم اور صحبت مختصر ہے۔ خیر

ع

یار زندہ ہیں تو صحبت باقی

(ادیب شہیر) ——— خواجہ محمد شفیع، دہلوی

۱۱ر اپریل ۱۹۴۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تو

نغمۂ نذارِ انجمن، ہنگامۂ محفل میں تو
نالۂ شبگیر، آوازِ شکستِ دل میں تو
نقشِ محرابِ حرم، تصویرِ طاقِ بتکدہ
جلوہ گاہِ حق میں تو ظلمت گہِ باطل میں تو
نشّۂ چشمِ فلک، گلگونۂ روئے زمیں
خمستانِ مہر و مہ، فردوسِ آب و گل میں تو
غمزۂ برقِ جہندہ، شوخئ رنگِ شفق
بّرشِ تیغِ دودم، خونِ رگِ بسمل میں تو

نغمۂ تارِ نفس، خاموشیٔ اشکِ الم
سینۂ موجِ طپاں، جذبِ مہِ کامل ہیں تو
پرتوِ روئے حقیقت، سایۂ زلفِ مجاز
صبحِ آسانیٔ جہاں گم اُس شبِ مشکل ہیں تو
حلقۂ گردابِ غم، سازِ لبِ جوئے حیات
چشمِ طوفانی، دلِ پروردۂ ساحل ہیں تو
صبحِ آغازِ خودی، انجامِ شامِ بے خودی
نرگسِ ہشیار ہیں تو، سبزۂ غافل ہیں تو
رنگِ گل، سوزِ عنادل، شمعِ فانوسِ بہار
حُسنِ لیلےٰ، عشقِ مجنوں، پردۂ محمل ہیں تو
تیرے جلووں میں دلِ ہر ذرّہ سرگرمِ عمل
صورتِ مہرِ درخشاں ذرّۂ ہر دل ہیں تو

وہ

جس کی برکت سے سینۂ گل، قلبِ مہِ کامل چاک ہوا
ہر جامۂ ارمانِ بلبل، ہر پیرہنِ دل چاک ہوا

ہر عزمِ جواں تقدیر بکف، ہر سوزِ نہاں تاثیر بکف
ہر موجِ رواں شمشیر بکف، ہر سینۂ ساحل چاک ہوا

ہر جادۂ جذب و کیف کھُلا، ہر پیکِ نسیمِ صبح بڑھا
ہر قافلۂ خوابیدہ اُٹھا، ہر دامنِ منزل چاک ہوا

ہر ذرّہ مثالِ شمس و قمر، ہر قطرہ بہائے لعل و گہر
ہر جلوہ شہیدِ قلب و نظر، ہر پردۂ محمل چاک ہوا

ہر غنچۂ رنگیں خندہ نما، ہر لحجۂ زرّیں نغمہ سرا
ہر دیدۂ حق بیں عقدہ کشا، ہر جامۂ باطل چاک ہوا

پروانۂ شمعِ وہم و گماں، مُرغِ حرمِ مقصود بنا
جو عجزِ سرِ ساجد تھا کبھی وہ نازِ دلِ مسجود بنا

دستورِ بہار، آئینِ چمن میں از سرِ نو ترمیم ہوئی
جلووں کی متاعِ بیش بہا رنگینیوں میں تقسیم ہوئی

ہر لالہ خیابانِ دل کا، پیمانۂ بزمِ طور ہوا
ہر شمع شبستانِ دل کی آئینۂ ہفت اقلیم ہوئی

ہر داغ جبینِ پرغم کا، نجمِ فلکِ تقدیر بنا
ہر راہ شعورِ برہم کی، تارِ نگہِ تنظیم ہوئی

ہر چاک قبائے فطرت کا، صبحِ چمنستانِ ہستی
ہر بوند سرشکِ حسرت کی، پیمانہ کشِ تسنیم ہوئی

جلووں کو شرافتِ ذوقِ نظر، نظروں کو لطافتِ حسنِ نکو
تاروں کو بزرگیٔ گل، پھولوں کو عظمتِ دل تسلیم ہوئی

جس کی نگہِ صد جلوہ بکف سے شام و سحر محروم نہیں
وہ کیا تھا، کیا ہے، کیا ہوگا، اے فیض مجھے معلوم نہیں

برشگال

جانبِ گلشن وہ بادل قبلہ رو ہو کر اٹھا
سبزۂ خوابیدہ چونکا، باوضو ہو کر اٹھا

نغمۂ سازِ سکوتِ شام میں کھویا ہوا
صبحدم انگڑائی لی آوازِ ہو، ہو کر اٹھا

ہر کہ و مہ کو پیامِ زندگی دیتا ہوا
بے نیازِ امتیازِ ما و تو، ہو کر اٹھا

گلستاں، صحرا، صنم خانہ، حرم سب مستفیض
بزمِ امکاں میں نگاہِ چارسو ہو کر اٹھا

دامنِ تر سے ترے اے ساقیٔ گردوں مقام
قطرہ جو ٹپکا شبابِ آبجو ہو کر اٹھا

اس کی ٹھوکر کھا جبینِ خاک پر دھندلا سا نقش
صفحۂ ہستی پہ حرفِ آرزو ہو کر اٹھا

ذرّہ ذرّہ میں شرارِ زندگی بن کر رہا
غنچہ غنچہ سے طلسمِ رنگ و بو ہو کر اٹھا

مرکزِ حسنِ تخیّل، نقطۂ ذوقِ نظر
دیدۂ نرگس سے عکسِ جستجو ہو کر اٹھا

خاتمِ ہر گل پہ بیٹھا صورتِ نقشِ نگیں
کاکلِ سنبل سے موجِ مشکبو ہو کر اٹھا

زر بکف، گل پیرہن، رنگیں قبا، آتش بجام
ایک قطرہ سو طرح سے سرخرو ہو کر اٹھا

یہ بضاعت اور اس پر یہ کرشمہ یہ اثر
ہر حبابِ آب جو رشکِ سبو ہو کر اٹھا

مژدہ باد اے سینہ چاکانِ گلستاں مژدہ باد
کانٹا کانٹا سوزنِ تارِ رفو ہو کر اٹھا

نغمہ نغمہ بربطِ موجِ نسیمِ صبح کا
جو ہوئی تھی طور پر وہ گفتگو ہو کر اٹھا

متبسم کرتا ہوا دل پر رموزِ کائنات
ذرّہ ذرّہ بے نقاب آئینہ رو ہو کر اٹھا

پھر وہ پیمانہ بردارِ مئے ہستی ہوا
وہ مہِ کاملِ خداوندِ نمو ہو کر اٹھا

اے دلِ خاموش اے ہم قسمتِ شمعِ مزار
ایسے ہنگامے سے بھی مایوس تو ہو کر اٹھا

اٹھ صلائے عام ہے پی اور بقدرِ ظرف پی
آنکھ اٹھا اور جاذبِ حسنِ نکو ہو کر اٹھا

محتسب کا خوف ہی واعظ کا ڈر تو پی چکا
جام اٹھانا ہی تو ان کے روبرو ہو کر اٹھا

کافرِ رحمت ہلاکِ خطرۂ بیم و رجا
لطف ہے سرگشتۂ لا تقنطو ہو کر اٹھا

اے اسیرِ خانۂ تاریک لطفِ برشگال
کو بکو ہو کر اٹھا اور سو بسو ہو کر اٹھا

شورشِ موجِ خراماں، نغمۂ سیال ہے
مژدۂ مستقبل و ماضی، نویدِ حال ہے

دِلّی

یادِ ایّامِ دلِ کون و مکاں تھی دلّی
گوہرِ تاجِ سرِ شاہ جہاں تھی دِلّی

جذبہ سینۂ آزاد تھیں جس کی موجیں
گلشنِ دہر میں وہ جوئے رواں تھی دلّی

سرِ بزانو تھی نظر، سر بگریباں تھا خیال
فرش پر ہوتے ہوئے عرش نشاں تھی دلّی

جس کے آئینۂ ہر گل میں تھی تصویرِ بہشت
غیرتِ خلد وہ صد رشکِ جناں تھی دلّی

بے نظیر آئنۂ صبح تھا گلِ بدرِ منیر
سر بسر مثنوئ سحرِ بیاں تھی دلّی

کشتۂ جورِ خزاں کے لئے، پیغامِ بہار
جسمِ بیجاں کیلئے روحِ رواں تھی دلّی

ساغرِ بادۂ جاں، آئنۂ حسنِ تمام
جلوۂ مہر و مہ و کاہکشاں تھی دلّی

اہلِ فن، اہلِ ہنر، اہلِ سخن، اہلِ کمال
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ زباں تھی دلّی

چاک ہوتے تھے یہاں چہرۂ ہستی کے نقاب
سچ تو یہ ہے کہ عیاں را چہ بیاں تھی دلّی

یہ بضاعت اور اس پر یہ کرشمہ یہ اثر
ہر حبابِ آب جو رشکِ سبو ہو کر اُٹھا

مژدہ باد اے سینہ چاکانِ گلستاں مژدہ باد
کانٹا کانٹا سوزنِ تارِ رفو ہو کر اُٹھا

نغمہ نغمہ بربطِ موجِ نسیمِ صبح کا
جو ہوئی تھی طور پر وہ گفتگو ہو کر اُٹھا

مترسم کرتا ہوا دل پر رموزِ کائنات
ذرہ ذرہ بے نقاب آئینہ رو ہو کر اُٹھا

پھر وہ پیمانہ بردارِ مئے ہستی ہوا
وہ نامہ کاملِ خداوند نمو ہو کر اُٹھا

اے دلِ خاموش اے ہم قسمتِ شمعِ مزار
ایسے ہنگامے سے بھی مایوس تو ہو کر اُٹھا

اُٹھ صلائے عام ہے پی اور بقدرِ ظرف پی
آنکھ اُٹھا اور جاذبِ حسنِ نکو ہو کر اُٹھا

محتسب کا خوف ہے واعظ کا ڈر تو پی چکا
جام اُٹھانا ہے تو ان کے روبرو ہو کر اُٹھا

کافرِ رحمت، ہلاکِ خطرۂ بیم و رجا
لطف سے سرگشتۂ لاتقنطو ہو کر اُٹھا

اے اسیرِ خانۂ تاریک لطفِ برشگال
کو بکو ہو کر اُٹھا اور سو بسو ہو کر اُٹھا

شورشِ موجِ خراماں نغمۂ سیال ہے
مژدۂ مستقبل و ماضی، نویدِ حال ہے

دِلّی

یادِ ایّامِ دلِ کون و مکاں تھی دلّی
گوہرِ تاجِ سرِ شاہِ جہاں تھی دلّی

جذبۂ سینۂ آزاد تھیں جس کی موجیں
گلشنِ دہر میں وہ جوئے رواں تھی دلّی

سر بزانو تھی نظر، سر بگریباں تھا خیال
فرش پر ہوتے ہوئے عرش نشاں تھی دلّی

جس کے آئینۂ ہر گل میں تھی تصویرِ بہشت
غیرتِ خلد وہ صد رشکِ جناں تھی دلّی

بے نظیر آئنۂ صبح تھا گل بدرِ منیر
سر بسر مثنویٔ سحرِ بیاں تھی دلّی

کشتۂ جورِ خزاں کے لئے، پیغامِ بہار
جسمِ بیجاں کیلئے روحِ رواں تھی دلّی

ساغرِ بادۂ جاں، آئنۂ حسنِ تمام
جلوۂ مہر و مہ و کاہکشاں تھی دلّی

اہلِ فن، اہلِ ہنر، اہلِ سخن، اہلِ کمال
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ زباں تھی دلّی

چاک ہوتے تھے یہاں چہرۂ ہستی کے نقاب
سچ تو یہ ہے کہ عیاں را چہ بیاں تھی دلّی

اب بگمہ داغِ دلِ پیر و جواں ہے دلّی
خونِ دل، چاکِ جگر، سوزِ نہاں ہے دلّی

ذرّے ذرّے میں ہے آزادیٔ مرحوم کی نعش
محشرِ نالہ و فریاد و فغاں ہے دلّی

عظمتِ رفتہ کے ہر جلوہ بکف لمحے پہ
خوں بدل آہ بلب شعلہ بجاں ہے دلّی

بربطِ عیش کا وہ نغمۂ پرکیف کہاں
سازِ اندوہ پہ اب مرثیہ خواں ہے دلّی

سرنگوں غنچے، گُل آزردہ، خیاباں تاراج
سَرو طرح کشتۂ شمشیرِ خزاں ہے دلّی

وقفِ ماتم ہوں جسے دیکھ کے اربابِ نشاط
بزمِ عالم میں وہ اندوہ نشاں ہے دلّی

چہرۂ عالمِ مظلوم پہ اک مدّت سے
صورتِ دیدۂ خونابہ فشاں ہے دلّی

کیوں نہ ہو سر بگریباں دلِ ناموس پسند
عرصۂ دہر میں بے تیر و کماں ہے دلّی

خوں نہ ہو جائے کہیں سُن کے دلِ کون و مکاں
کیا کہوں کل تھی کہاں آج کہاں ہے دلّی

کاش پھر وجہِ سکونِ دل و جاں ہو دلّی
رونقِ انجمنِ کون و مکاں ہو دلّی

ضو بکف اہلِ گلستاں کی نگاہیں ہو جائیں
پردۂ گُل سے کچھ اس طرح عیاں ہو دلّی

عنبر افشاں ہوں نسیمِ سحری کے جھونکے — مثلِ شاخِ گُل تر رقص کناں ہو دلّی

دن کو ہر ذرّہ بیتاب ہیں خورشید بکف — رات کو شمعِ شبستانِ جہاں ہو دلّی

خوں بہائے دلِ بسمل ہیں ملے خونِ عدو — صاحبِ خنجر و شمشیر و سناں ہو دلّی

جس کے پرتو سے صد آئینہ بکف ہوں غنچے — شیشۂ گل ہیں وہ تصویرِ جناں ہو دلّی

جی اٹھیں مردۂ صد سالہ بیک جنبشِ لب — شافیٔ کُل وہ مسیحائے زماں ہو دلّی

فرشِ رہ دیدہ و دل شمس و قمر سر بسجود — سر سے پا تک نگہ حسنِ جواں ہو دلّی

دستِ ہر غنچۂ رنگیں میں ہو قانونِ بہار
فیض یوں منتقمِ جورِ خزاں ہو دلّی

قطعہ

محوِ لطفِ گل نہ وقفِ خطرۂ جورِ خزاں
شبنم و دل وابستۂ صحرا نہ پابندِ چمن
ہیں گزر جاتا ہوں یوں خرِ زندگی سے موڑ کر
جیسے کترا کر نکل جائے شکاری سے ہرن

جب فروزاں ہو جوانی کی اندھیری رات میں
عشرتِ امروز کا جامِ شرابِ ارغواں
ہر گناہِ نو پہ یوں آواز دیتا ہے ضمیر
جس طرح گوشِ بُتِ سنگیں میں دے کوئی اذاں

جب کسی کے وعدۂ تشریف فرمائی پہ دل
رہ چکا ہو ایک مدت تک شہیدِ انتظار
اس طرح مایوسیوں میں تھرتھراتی ہے امید
رات کی تاریکیوں میں جس طرح شمعِ مزار

دیدۂ بینا کہ جس پر وا ہیں اسرارِ بہار
کس قدر مایوس ہے رنگِ گلستاں دیکھ کر
یوں چٹکتی ہے نسیمِ صبح گاہی سے کلی
چونک اٹھے جیسے کوئی خوابِ پریشاں دیکھ کر

جب کسی کے خلوتی لمحوں میں ہو کوئی مخل
ہاتھ سے صبر و رضا کے دامنِ دل چھوٹ جائے
اس طرح ہر جنبشِ لب پر صدا دیتا ہے دل
محتسب کی جیسے ٹھوکر سے پیالہ ٹوٹ جائے

شوخیٔ رنگِ شفق یہ منظرِ لالہ فروش
خندۂ نورِ سحر یہ جلوۂ برقِ انتساب
سینۂ مشرق پہ آویزاں ہے سورج اس طرح
توڑ کر رکھ لے کوئی جیسے گریباں میں گلاب

انتقام

مقبرۂ ہمایوں واقعاتِ غدر کی روشنی میں

ابجۂ تیرے حجلۂ دل میں رہیگا حشر تک ـ ٭ ـ بے نیازِ مسند و قالین ہمایوں محوِ خواب

ذرّہ ہائے زیرِ کف یہ غنچہ ہائے سرخرو

خیمہ زن ہے کیا یہاں پروردگارِ رنگ و بو

کھُل رہی ہے خندۂ فطرت سے غنچوں کی گرہ

ہو رہا ہے شبنمی جلووں سے پھولوں کا وضو

ان مناظر سے مگر وہ تشنگی کیوں کر بجھے

جس کی شدّت میں ہوں رقصاں شعلہ ہائے جستجو

آہ کیا وجہِ کشودِ دل ہو سامانِ بہار

جب ٹپکتا ہو جبینِ لالہ و گل سے لہو

آج یہ ثابت ہوا مجھ پر خموشی سے تری
اک زبانِ بے زباں ہے آلۂ صد گفتگو

قصّہ گو ہر خامشی، تفصیل ہر اجمال ہے
گوشِ شنوا ہو تو ہر ذرّہ زبانِ حال ہے

ایک تیری خلوتوں کے نالۂ خاموش ہیں -- عہدِ ماضی کی کوئی دُہرا رہا ہی داستاں

اُن کی روحیں آج بھی شاید ہیں محرمِ پناہ
صبحِ نورانی پہ جن کی چھا گئی شامِ سیاہ
جن پہ الزامِ نظر تھا اور جرمِ آگہی
جن کی حُرّیت خطا تھی اور آزادی گناہ
جن کے خونِ آرزو کا ہر گلِ رنگیں ثبوت
جن کی بربادی پہ ہر برگِ خزاں دیدہ گواہ

لُٹ گئی جن کی سرِ منزل متاعِ زندگی
ہو گیا جن کا نشیمن موسمِ گل میں تباہ
مات جن کے ہو گئے منصوبۂ فتح و ظفر
آ گیا پیدل کی زد میں حیف جن کا بادشاہ
سر برہنہ، دربدر، صحرا بصحرا، کو بکو
رو رہی ہیں آج بھی جن کی تمنائیں لہو

اے کہ تیرے سینۂ سنگیں پہ پہرہ رکھے ہوئے ۔۔ سو رہے ہیں عہدِ چنگیزی کی خونیں واقعات

آہ وہ پروردۂ چشمِ ستم، برقِ عتاب
خرمنِ پیری بچا جس سے نہ گلزارِ شباب
اُٹھ رہا تھا سینۂ شبنم سے لہرا کر دھواں
آ رہی تھی لالۂ پُر داغ سے بُوئے کباب

قلزمِ خوں میں سروں کے یُوں سفینے تھے رواں
تیرتے پھرتے ہوں سطحِ آب پر جیسے حباب
تول بھی سکتے نہ تھے بازو اسیرانِ قفس
کھول بھی سکتے نہ تھے لب کشتگانِ انقلاب
غمزۂ خوں ریز کا اللہ رے زعمِ ستم
خطرۂ دنیا نہ خوفِ پرسشِ روزِ حساب
خون ہو کر چشمِ حسرت سے جگر یوں بہ گیا
پہلوے ہستی میں دِل دھڑکا دھڑک کر رہ گیا

اے کہ تیرے بام و در کی کہہ رہی ہیں سرخیاں ۔۔ بیگناہوں کا لہو لیکر رہے گا انتقام

ہاتھ ہے تعمیر میں جس کی ستم ایجاد کا
رُک سکے گا ایک بھی پتھر نہ اس بنیاد کا

بجلیاں برسیں گی خونِ بلبلِ ناشاد سے
جل اُٹھے گا گوشہ گوشہ خانۂ صیّاد کا

غرق ہو جائے گی کشتیِ نخوت و پندار کی
ڈوب جائے گا سفینہ ظلم و استبداد کا

جن کو آتی ہے ہمارے نالۂ غم پر ہنسی
خود انہیں چکھنا پڑے گا ذائقہ فریاد کا

لے چکے ہیں مدّتوں جو سینۂ شیریں پہ سانس
زخم بھی کھانا ہے ان کو تیشۂ فرہاد کا

پیس ڈالے گی اُنہیں یوں گردشِ ہفت آسماں
مِل سکے گی ڈھونڈنے سے بھی نہ اُن کی داستاں

لمحۂ سرشاری

بنیادِ ازل تا سیسِ ابد آغازِ قدح خواری ہے مرا
اے خضر تری عمرِ باقی اک "لمحۂ سرشاری" ہے مرا

وہ لمحۂ سرشاری جس میں یوں تکملۂ دل ہوتا ہے
ساقی فطرت، صہبا جلوے، ساغرِ مہ کامل ہوتا ہے
سرمستیِ باطل بھی جس پر بنیادِ حقیقت رکھتی ہے
گم گشتۂ منزل بھی جس میں خضرِ رہِ منزل ہوتا ہے
ہر شورشِ رستاخیز سکوں آموزِ حوادث ہوتی ہے
گرداب سے کشتی بنتی ہے طوفان بھی ساحل ہوتا ہے
اک ناز سے انگڑائی لیکر دوشیزۂ فطرت اٹھتی ہے
ہر دیدۂ نرگس حیرت سے آئینۂ محفل ہوتا ہے

ہر نجمِ سحر، آئینۂ گل، ہر عارضِ گل، قندیلِ چمن
ہر رشحۂ شبنم، بارشِ مے، ہر قطرۂ مے دل ہوتا ہے

دامانِ خرد پر پڑتی ہے لہرا کے نگاہِ دستِ جنوں
وہ دستِ جنوں جس کی زد میں ہر پردۂ محمل ہوتا ہے

خمخانۂ ہستی کو جس نے مجبورِ تنک ظرفی پایا
اک جامِ سفال اس بادۂ سرکش کا متحمّل ہوتا ہے

اک جوئے مئے رنگیں جس کو موجِ نگہِ غم ہوتی ہے
اک گردِ رہِ مستی جس میں دُودِ حق و باطل ہوتا ہے

اک سازِ فراموشی، جس پر روحِ مہ و انجم گاتی ہے
اک نغمۂ مدہوشی جو دل کونین پہ نازل ہوتا ہے

ٹوٹا نہ طلسمِ عقل و خرد، سر چشمۂ ہشیاری نہ ملا
وہ عمر ہے عمرِ خشک جسے اک لمحۂ سرشاری نہ ملا

وہ لمحۂ سرشاری جس میں ہر ذرہ حسیں ہو جاتا ہے

اسرارِ مشیّت کھُلتے ہیں، ہر وہم یقیں ہو جاتا ہے

ہر شاخِ گلستاں پر نازل پھولوں کے صحیفے ہوتے ہیں

ہر غنچۂ دل افروز جوابِ خلدِ بریں ہو جاتا ہے

ہر لمحہ ربابِ مستی پر گاتا ہے سرودِ صبحِ ازل

ہر ذرہ نہا کر جلووں میں خورشید جبیں ہو جاتا ہے

ہر دیدۂ سرخوش ہوتا ہے سرگرمِ تقاضائے ارنی

ہر جلوۂ رقصاں جزوِ نگاہِ طور نشیں ہو جاتا ہے

داغِ جگرِ ہر سوختہ جاں ہوتا ہے چراغِ دیر و حرم

تیرِ نگہِ دل دوز شعاعِ ماہِ مبیں ہو جاتا ہے

ہر آئینۂ دل ہوتا ہے تصویر کشِ تسلیم و رضا

ہر جلوۂ دور افتادہ رگِ جاں سے بھی قریں ہو جاتا ہے

ہر نالۂ حسرت ہوتا ہے آوازِ شگفتِ غنچہ و گل
ہر ناوکِ خوں آشام سکونِ قلبِ حزیں ہو جاتا ہے

صبح آئینۂ شبنم لے کر آتی ہے پئے تزئینِ چمن
لبریزِ شرابِ لالہ و گل ، مینائے زمیں ہو جاتا ہے

میزانِ خودی میں تُلتا ہے سو رنگ سے اک دل کا موتی
معمورۂ ہستی ایک نظر میں زیرِ نگیں ہو جاتا ہے

تکمیلِ نظر معراجِ خودی ، توفیق گنہگاری کیلئے
سجدے میں ہے روحِ کون و مکاں اک لمحۂ سرشاری کیلئے

وہ لمحۂ سرشاری جو شہیدِ غمزۂ رسمِ عام نہیں
محتاجِ سبو ، شرمندۂ مینا ، سجدہ گذارِ جام نہیں

وہ منظرِ رومانی جس پر اُٹھتی ہے بنائے حسن و جمال
وہ لہجۂ حیرانی جس میں اثبات ہے استفہام نہیں

وہ میکدۂ رنگیں جس کا ہر دردکش پیمانۂ دل
مخمورِ شرابِ خاص تو ہے محرومِ صلائے عام نہیں

وہ جذبۂ آزادی جو فضائے میکدۂ رنگ و بو میں
صیادِ مہ و انجم تو ہے لیکن طائرِ زیرِ دام نہیں

وہ سجدۂ روحانی جس کا نقشِ نظر افروزِ دو جہاں
محدودِ جبینِ دیر و حرم، پابستۂ صبح و شام نہیں

وہ حاصلِ کون و مکاں جس کو از روئے حدیثِ پیرِ مغاں
پیکانِ شعاعِ برقِ اجل بیش از نگہِ ناکام نہیں

وہ دورِ مئے رنگیں جس کا از صبحِ ازل تا شامِ ابد
بالفرض اگر آغاز ہے بالتحقیق کوئی انجام نہیں

وہ جلوہ گہِ تقصیر جہاں عمامۂ حضرتِ شیخ تو کیا
سو دامنِ یوسف بھی ہوں تو ہرگز قیمتِ یک الزام نہیں

وہ منزلِ مختاری جس میں ہر ذرہ گردِ راہِ خودی
نورِ نگہِ تقدیر تو ہے پامالِ غمِ ایام نہیں
کیوں ملتجیِ خوابِ ابدی ہوں عشرتِ بیداری کے عوض
میں مر کے بھی عمرِ خضر نہ لوں اک لمحۂ سرشاری کے عوض

قطعہ

چارہ سازِ بیکسی مشکل کشا جاتا رہا
زندگی کا لطف جینے کا مزا جاتا رہا
ناخدائے شیوۂ ناورد ستمگیری پہ ہم
اس طرح افسوس ہے گویا خدا جاتا رہا

جامع مسجد (دہلی)

شکارِ خنجر و تیغ و سنان و تیر نہیں
اسیرِ گردشِ ایّام و چرخِ پیر نہیں
جبینِ دہر پہ ہے داغِ سُست بنیادی
مگر "بنائے محبّت" خلل پذیر نہیں!

وہ اک "بنائے محبّت" جسے حیات کہیں
سرودِ کون و مکاں رقصِ کائنات کہیں
چراغِ طاقِ نظر ہو تو جلوہ گاہِ صفات
فروغِ خانۂ دل ہو تو "حسنِ ذات" کہیں

وہ حسنِ ذات جو وجہِ فروغِ طور رہا
جمالِ غیب سے عکسِ رُخِ حضور رہا
نہ رہ سکا جو پسِ پردۂ مہ و انجم
شبیہِ مسجدِ جامع میں ظہور رہا

وہ عہدِ شاہ جہانی کی "یادگارِ جمیل"
دلیلِ جذبۂ محکم ثبوتِ عزمِ جلیل
کفِ عروسِ زمانہ میں لالۂ رنگیں
جبینِ شاہدِ ہستی پہ "سجدہ گاہِ خلیل"

عروسِ نو، گلِ روشن ضمیر، ماہِ مبیں
چراغِ روح، جلائے نظر، فروغِ جبیں
جوابِ مسجدِ اقصلے، بقولِ اہلِ نظر
زروئے حسن و تقدس نظیرِ خلدِ بریں

اثر نواز، گلو سوز، دل نشیں نغمہ
ربابِ شوق سے پھوٹا ہوا حسیں نغمہ
شعاعِ نجمِ فلک کی دعائے نیم شبی
نسیمِ صبحِ گلستاں کا مرمریں نغمہ

طلوعِ مہرِ تقدس، ظہورِ صبحِ ازل
وقارِ "وعدۂ اول" شعورِ صبحِ ازل
لبِ تبسّمِ رنگیں پہ زعفرانِ شفق
جبینِ خندۂ سیمیں پہ نورِ صبحِ ازل

نشاطِ روح، سرورِ نظر، سکونِ خیال
سرودِ بربطِ فن، نغمۂ ربابِ کمال
برس پڑا جو فلک سے وہ جلوۂ قدسی
ٹھہر گیا جو زمیں پر وہ "شاہکارِ جمال"

منار و گنبد و محراب و صحن، بارہ دری
مقامِ چہرہ کشائی، نشانِ جلوہ گری
یہ آبِ حوض میں ہے عکسِ "نو عروسِ چمن"
کہ آئنہ میں کھڑی ہنس رہی ہے "لال پری"

سنبھل سکا نہ یہاں پائے گردشِ ایام
بدل سکا نہ یہاں رنگ چرخِ نیلی فام
غروب کوکبِ اقبال ہو چکا کب کا
مٹا سکا نہ زمانہ مگر یہ "نقشِ دوام"

فروغِ صبحِ سعادت کی اے حسین تمہید
چراغِ دیدہ و دل، گنجِ معرفت کی کلید
تو جب سے زخمہ زنِ دل ہے بزمِ ہستی ہیں
ربابِ کفر سے پیدا ہے نغمۂ توحید

نظر سے شیشۂ اسرار پاش پاش کیا
دلِ جمود کو ممنونِ ارتعاش کیا
مرا کلامِ مسلسل جو راز کہہ نہ سکا
تری خموشیِ پیہم نے آج فاش کیا

جو خود نما ہو وہ دل رہ رِوِ صواب نہیں
جو خام ہو وہ نظر وجہِ انقلاب نہیں
نہ جس میں نورِ یقیں ہو نہ حسن آزادی
وہ سجدہ لغزشِ پا ہے کہ مستجاب نہیں

یہی سبب ہے مسلماں میں دلکشی نہ رہی
جو وجہِ رشکِ اجل ہو وہ زندگی نہ رہی
کچھ اس طرح غمِ دنیا نے پائمال کیا
جگر میں خون لبِ خشک پر ہنسی نہ رہی

بہارِ لالہ نہ وہ رنگِ گلستاں باقی
جمالِ تازہ نہ وہ جلوۂ جواں باقی
وہ کارِ برق کیا اک نگاہِ گلچیں نے
کہ آشیاں ہے نہ اب شاخِ آشیاں باقی

نہایتِ نگہِ خشمگیں نہیں ملتی
طبیعتِ فلکِ نکتہ چیں نہیں ملتی
تھا جن کا نقشِ کفِ پا چراغِ ہفت اقلیم
اب اُن کے دفن کو گز بھر زمیں نہیں ملتی

جبیں میں شمعِ صداقت کا نور پیدا ہو

نفس میں سوز، نظر میں شعور پیدا ہو

میسّر دلِ مسلم اگر ہو ذوقِ یقیں

جہاں پڑے قدم شوقِ طور پیدا ہو

اقبال

نغمۂ قدسی دلِ خوابیدہ کو بانگِ رحیل
رفعتِ تخئیل ادب آموزِ بالِ جبرئیل
عارضِ سلمائے معنی، صبحِ گلزارِ خلیل
اے کہ تیری ہر نظر صد رشکِ موجِ سلسبیل
رقص کرتے ہیں مہ و پروین تری آواز پر
بوسہ دیتے ہیں ملک تیرے لبِ اعجاز پر

آئنہ دارِ حقیقت کاشفِ سرِّ حیات
مصدرِ الہامِ فطرت، مظہرِ ذات و صفات
مرکزِ قلب و نظر نقشِ جبینِ کائنات
شاعرِ رنگیں نوا اے شمعِ بزمِ واردات
تو نے چھیڑا نغمۂ ہستی کچھ اس انداز سے
ہر نیاز آئینہ بردارِ خودی ہے ناز سے
گرمیِ جاں، شعلۂ ہستی، شرارِ زندگی
خندۂ گل جلوۂ شبنم بہارِ زندگی
ابرِ معنی، جوئے حکمت، آبشارِ زندگی
اے کہ تیرا ہر نفس پروردگارِ زندگی
تیرے دم سے گلشنِ شعر و سخن شاداب ہے
بربطِ کونین پر تیری نظر مضراب ہے

طائرِ بے بال و پر کو جذبۂ شاہیں دیا

کرمکِ شب تاب کو نورِ مہ و پرویں دیا

سازِ بشکستہ کو سوزِ نغمۂ رنگیں دیا

تو وہ شاطر ہے کہ پیدل کو دلِ فرزیں دیا

مورِ کم مایہ کو ہمدوشِ سلیماں کر دیا

آدمی کو وہ نظر بخشی کہ انساں کر دیا

ساقیِ بزمِ وطن خضرِ رہِ منزل ہے تو

جلوۂ صبحِ چمن، رنگِ رُخِ محفل ہے تو

ناخدائے قوم، پیغامِ لبِ ساحل ہے تو

جس میں دردِ ملّتِ مرحوم ہے وہ دل ہے تو

نغمۂ عشرت سے بہتر نوحۂ ماتم ترا

دل میں رکھ لینے کے قابل ہے دلِ پرغم ترا

نغمۂ سازِ مشیت، مژدۂ صبحِ وصال
خالقِ شعر و سخن، پیغمبرِ حسن و جمال
انبساطِ دل، نشاطِ روح، تسکینِ خیال
اے کہ تیرے نعرۂ بیباک میں رُوحِ بلالؓ
پھر عطا ہو بربطِ تمکیں کو مضرابِ جنوں
پھر سکھا عقلِ خجستہ پا کو آدابِ جنوں

ذوقِ مستی کو ملالِ تنگیٔ پیمانہ ہے
شمعِ ہستی کو تلاشِ دامنِ پروانہ ہے
پہلوئے تقدیر محرومِ دلِ دیوانہ ہے
"گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے"
تو چمن زارِ جہاں میں کس لئے خاموش ہے
نغمہ پیرا ہو کہ ہر غنچہ سراپا گوش ہے

کوکب

گر پڑی برقِ ستم چرخِ ستم ایجاد پر
کوکب اک تبخالۂ غم ہے لبِ فریاد پر

لیلیِ شب غرق ہے اک فکرِ نامعلوم میں
ڈبڈبا آیا ہے آنسو دیدۂ مغموم میں

کشتیِ دل قلزمِ بیم و رجا میں پھینکدی
توڑ کر کس نے کلی ہائے فضا میں پھینکدی

پھرتے پھرتے جستجوئے جلوۂ مستور میں
پڑ گیا ہے آبلہ پائے شبِ دیجور میں

مضطرب ہے، مرتعش ہے، لرزہ بر اندام ہے
پارۂ سیماب ہے کس کا دلِ ناکام ہے

تابشِ غم سے اڑا، اڑ کر شرارا ہو گیا
دل فضا میں اس قدر ڈوبا کہ تارا ہو گیا

پھٹ پڑا اے لیلیٔ شب تجھ پہ طوفانی شباب
دیکھ آوارہ نہ ہو جائے یہ ننھا سا حباب

قصۂ آدم جبینِ چرخ پر مرقوم ہے
مٹ نہ جائے یہ نشانِ سجدۂ معصوم ہے

مسکرا کر سایۂ دامن میں اپنے لے اسے
مشعلِ راہِ ہدایت ہے نہ بجھنے دے اسے

جلوۂ فردوسِ خلدِ حسن ملنے دے ابھی ناشگفتہ غنچۂ نرگس ہے کھلنے دے ابھی
مزرعِ ہستی کا یہ دانہ ہے محتاجِ نمو آبِ گوہر جلوۂ شبنم سے اس کو سینچ تو

حسنِ کفر انگیز کی نیرنگیاں ملحوظ رکھ
قشقۂ سیمائے نظرت ہے اسے محفوظ رکھ

دیکھ فردوسِ نظر کا پیکرِ نوری ہے یہ عارضِ نیلم پری پر خالِ کافوری ہے یہ
اک چراغِ نور روشن ہے فرازِ طور پر یا سرِ منصور ہے دارِ شعاعِ نور پر
مرکزِ قلبِ نظر، جلوہ گہِ عالم ہے یہ بے خبر! آئینہ دارِ قسمتِ آدم ہے یہ
قسمتِ آدم! حنا بندِ عروسِ زندگی جس کے جلووں سے شبِ تاریک ہیں تابندگی
جس کا ہر تارِ نظر تارِ گریبانِ حیات جس کا ہر نقشِ قدم نقشِ جبینِ کائنات

جس کی حیرت جوہرِ آئینۂ ناسوت ہے
جس کی خاموشی سرودِ بربطِ لاہوت ہے

بغاوت

اگر ہم نغمۂ حبِّ وطن گائیں بغاوت ہے
زباں پر شکوۂ جور و جفا لائیں بغاوت ہے
شکارِ غمزۂ خوں ریز ہو کر ہم سرِ مقتل
اگر سینے پہ ہنس کر گولیاں کھائیں بغاوت ہے
کسی مظلوم کا افسانۂ ناگفتہ بہ سن کر
اگر ہم فطرتاً بے چین ہو جائیں بغاوت ہے
دلِ اندوہگیں اور نالۂ بے باک کیا معنی
ذرا آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئیں بغاوت ہے
اگر دامن بچا کر ہم فضائے خار ساماں سے
نسیمِ صبح کی صورت گذر جائیں بغاوت ہے

وہ دستورِ ہمایونی وہ آئینِ جہانگیری
اگر اب بھول کر بھی یاد آ جائیں بغاوت ہے

اگر شیخ و برہمن کو ہم آہنگِ وطن کر کے
کوئی بھولی ہوئی تاریخ دُہرائیں بغاوت ہے

نگاہِ سینہ چاکانِ چمن میں بجلیاں بھر کر
چمن میں زندگی کی لہر دوڑائیں بغاوت ہے

جبینِ لالہ و گل سے شرارِ رنگ و بو لے کر
اگر ہم سینۂ شبنم کو گرمائیں بغاوت ہے

چراغِ ہر گلِ تر کو فروغِ جاوداں دے کر
فضائے گلستاں پر نور برسائیں بغاوت ہے

غرض وہ بجلیاں بھی ہم پہ برسائیں تو برسائیں
اگر ہم داغِ دل بھی اُن کو دکھلائیں بغاوت ہے

زندگی

شعرِ تر، تخئیلِ نو، فکرِ جواں ہے زندگی
کارواں دل ہے تو میرِ کارواں ہے زندگی

یہ رگِ برگِ گلِ تر، یہ خمِ شاخِ بہار
کون کہتا ہے کہ بے تیر و کماں ہے زندگی

اہتمامِ مرگ سے بدتر، سرانجامِ سکوں
ہر نشیمن کیلئے برقِ تپاں ہے زندگی

قاصدِ بزمِ طرب، پیغمبرِ صحنِ چمن
ساغرِ مے ریز، ابرِ گلفشاں ہے زندگی

نرگسِ آہو نظر، چاکِ گریبانِ سحر
کشتیٔ خورشید، جوئے کہکشاں ہے زندگی

غمزۂ صبحِ بنارس، شوخیٔ شامِ اودھ
جلوۂ سیمیں، شرابِ ارغواں ہے زندگی

گوش بر آواز کیوں ہر غنچۂ رنگیں نہ ہو
بربطِ گل پر چمن میں نغمہ خواں ہے زندگی

عالمِ کہنہ کی اس فرسودگی کے باوجود
الحمدللہ آج بھی کتنی جواں ہے زندگی

جذب و مستی کا جہاں انجام سے آغاز ہو
اس فضائے رنگ و بو میں پرفشاں ہے زندگی

چن دیئے جائیں نہ کیوں ایسے میں جلوے ہر طرف
میہماں ہیں دیدہ و دل میزباں ہے زندگی

خودِ گل، تیغِ مہِ نو، لشکرِ ابرِ سیاہ
کس تجمل سے جہاں پر حکمراں ہے زندگی

ہو سکے گی شورشِ سیلِ رواں کیا سدِ راہ
فیضؔ خود اک شورشِ سیلِ رواں ہے زندگی

اقدامِ جارحانہ

کہاں سے آئے یہ لیلئ شب ہیں آج اندازِ کافرانہ

یہ کہکشاں ہے کہ طاقِ نسیاں پہ سبحہ صد ہزار دانہ

نگاہ نیچی کئے ہوئے جا رہی ہے شرمندہ پارسائی

کھڑے ہیں گردن جھکائے زہد و ورع باندازِ مجرمانہ!

غضب کے خود دار بن گئے ہیں نگاہِ ساقی سے مست سجدے

سرک کر آجائے خود جبینِ خراب تک اب وہ آستانہ

ہر ایک غنچے کے دستِ رنگیں میں ہے چھلکتی ہوئی گلابی

ہر ایک ذرے کے عارضِ آتشیں پہ حسنِ فرنگیانہ

نسیمِ وحشت اثر میں غلطاں ہوائے دامانِ عقل و حکمت

فضائے سادہ میں جذبِ رنگینئ خیالاتِ شاعرانہ

جو پردۂ گل میں کر رہی ہے بہار تبلیغ مے پرستی
تو ابر چھایا ہوا ہے گلشن پہ بن کے رحمت کا شامیانہ
یہ نرگسِ نیم باز کے مستیوں میں ڈوبے ہوئے سفینے
یہ لڑکھڑاتی ہوئی نسیمِ چمن یہ بہکا ہوا زمانہ
یہ پہلوے گل میں فیضِ شبنم سے ایک نازک سا آبگینہ
یہ طائرِ رنگ و بو کا ہر غنچہ میں گلابی سا آشیانہ
یہ آبشاروں کے دامنِ مرمریں پہ نغموں کی تابناکی
یہ دل کی گہرائیوں میں انگڑائیاں سی لیتا ہوا ترانہ
یہ عارضِ گل کہ جس میں حوروں کی مسکراتی ہوئی جوانی
یہ دورِ ساغر کہ جس کی زد میں ہی قسمتِ گردشِ زمانہ
شعاعِ مہتاب کے تبسّم میں رندِ بادہ فروش گم ہے
وہ رندِ بادہ فروش جس کی نظر بنائے شراب خانہ

وہ جس کی تاریکیوں پہ صدقے چراغِ دیر و حرم کے جلوے

وہ جس کی اک لغزشِ قدم پر نثار سو وجدِ صوفیانہ

وہ جس کی غفلت شعاریوں کے قدم پہ معراجِ ہوشیاری

وہ جس کی ٹھوکر سے سر بسجدہ غرورِ ایجادِ آذرانہ

وہ جس کا ہر ناتمام جملہ مکمّل افسانۂ حقیقت

وہ جس کے ہر حرفِ زیرِ لب میں ہزار تاویلِ عالمانہ

وہ جس کی اک جنبشِ نظر سے ضمیرِ لوح و قلم میں لرزش

وہ جس کا ہر وقفۂ تنفس جنوں کی تکمیل کا زمانہ

وہ جس کی مستی فضائے عالم پہ چھائی شعر و شباب بن کر

اسی کے ہر لفظ پر یہ چینِ جبینِ واعظ کا تازیانہ

یہ بات ہے تو ابھی سے اس کے خلاف "اقدامِ جارحانہ"

نگاہِ پردہ در

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ چشمِ عوام سے اجتناب اچھا
نگاہِ بیباک جس کو چومے وہ حسن صرفِ نقاب اچھا
اگر ہو خود حسن برقِ نظارہ سوز تو احتیاط کیسی
حجاب ہو جس کی بے حجابی وہ حسن پھر بے حجاب اچھا

نگاہ منزل شناس ہے تو خیالِ بالا و پست کیسا
تمہارے جب راز دار ٹھہرے تو حشر کیسا الست کیسا
یہ ٹکٹکی یہ سکوت یہ خامشی یہ حیرت مری بجا ہے
ہو جس میں کچھ عقل و ہوش باقی تمہیں کہو پھر وہ مست کیسا

شرابِ انوار تک بچے یوں پناہِ فانوس جام لے گی
یہ برقِ نظارہ سوز کب تک قیام بالائے بام لے گی
ہزار پردوں میں چھپنے والے مری نظر سے نہ چھپ سکیگا
رہیگا ناکام جذبۂ دل تو پھر نظر انتقام لے گی

شکستِ توبہ سے بحر و بر کیا میں دونوں عالم خراب کر دوں
جبینِ گل سے شراب برسے چمن کو غرقِ شراب کر دوں
وہ اور ہونگے جو التجائیں رہیں گے حسن بہانہ جو گی
مری نظر وہ نظر ہے جسکو کہو اسے بے نقاب کر دوں

ہی اگر شانِ جستجو ہے تو میں ترا در بھی ڈھونڈ لوں گا
نگاہ اختر شناس ہے تو نگاہِ اختر بھی ڈھونڈ لوں گا
حجاب اندر حجاب ہو تو، نقاب اندر نقاب ہو تو
مکان تو چیز کیا ہو تجھکو مکاں سی باہر بھی ڈھونڈ لونگا

رفیع ایوانِ جستجو ہے، وسیع دامانِ آرزو ہے
یہ وقت وہ ہے کہ زندگی کی کلی کلی برقِ رنگ و بو ہے
جو میں نے گردشِ نگاہ کو دی تو جگمگا اُٹھے عرش و کرسی
دلِ شکستہ کے ذرے ذرے پہ مرتسم آفتابِ ہُو ہے

نگاہ خاموش، قلب ساکت ، وہ وقت تھا جب نقاب اُٹھا
نقاب اُٹھا کہ نور و مستی میں ڈوب کر آفتاب اُٹھا
نہ پُوچھ تابِ نظارہ میری، نہ دیکھ یارائے دید میرا
نگاہ اُٹھی تو بہرِ تعظیم مُسکرا کر حجاب اُٹھا

دل و جگر مسکرا رہے ہیں چمن میں کلیاں سی کھل رہی ہیں
قبائیں پھولوں کی آج تارِ نگاہِ بلبل سے سِل رہی ہیں
نہ ہم پہ رعبِ جمال طاری نہ ان کو پاسِ حجاب باقی
یہی تو وہ وقت ہے کہ دونوں نگاہیں آپس میں مل رہی ہیں

میں آج دستورِ زندگی میں عجیب ترمیم کر رہا ہوں
جمال کو خوگرِ نیاز و سپردِ تسلیم کر رہا ہوں
نگاہِ عالم برنگِ نرگس رہیگی محرومِ دید کب تک
نظارے مجھ پر برس رہے ہیں میں انکو تقسیم کر رہا ہوں

جہاں کی ہر چیز پر تبسّم مثالِ آئینہ دیکھتا ہوں
جبینِ گل تو جبینِ گل ہے کلی کو ضو بستہ دیکھتا ہوں
جو لن ترانیِ حسن ہوگی بہ التجائے کلیم ہوگی
قسم ہے اس پردہ در نگہ کی تجھے میں بے پردہ دیکھتا ہوں

شکستِ دل

آئینۂ حسن و مہر و وفا اے زینتِ محفل ٹوٹ گیا
تیرِ نگہِ بیباک سے بہر دل ٹوٹ گیا دل ٹوٹ گیا

گرداب بلا ہر دیدۂ نم، طوفان بکف ہر اشکِ الم
فی الواقع اے طغیانیِ غم کیا آبلۂ دل ٹوٹ گیا

یہ موسمِ گل یہ رنگِ چمن، اے محتسبِ پیمانہ شکن
کیا کیجئے شرحِ رنج و محن، اک چوٹ لگی دل ٹوٹ گیا

اس غمکدۂ رنگ و بو کی تقدیر ہے غم انگیز خوشی!
جب موجِ صبا نے چٹکی لی غنچے کا معاً دل ٹوٹ گیا

اے خضرِ خجستہ نظر یہ بجا، اب فکرِ شکستِ پا نہ رہا
گم گشتۂ شامِ غربت کا بالفرض اگر دل ٹوٹ گیا

مغموم نہ ہو مغموم نہ کر، جا خبط مرا مفہوم نہ کر
معلوم نہیں معلوم نہ کر، کیوں کس کا، کہاں دل ٹوٹ گیا

اک درد بھری آواز سی تھی، آوازِ شکستِ ساز سی تھی
پہلو میں یہ کیا پرواز سی تھی، خالم بدہن دل ٹوٹ گیا

یہ ظلم و ستم یہ رنج و تعب، یہ جور و جفا یہ غیظ و غضب
بیگانگیٔ احباب سے اب اے فیضؔ مرا دل ٹوٹ گیا

ع

پہلو میں یہ غنچے کی سی چٹک، ہنگامۂ رستاخیز بپا ہے
سنتے ہیں پیا یہ آئینۂ دل اک لطف کی خوش تقریب بھی ہے

مغنّیہ

جبینِ گل جگمگا رہی ہے — کلی کلی مسکرا رہی ہے
ہر ایک شے گنگنا رہی ہے — یہ کس کی آواز آ رہی ہے
یہ کون اس وقت گا رہی ہے

گلوں کے عارض دھلے ہوئے ہیں — نزاکتوں میں تلے ہوئے ہیں
شراب خانے کھلے ہوئے ہیں — تمام عالم پہ چھا رہی ہے
یہ کون اس وقت گا رہی ہے

حسین غنچے مچل رہے ہیں — لباسِ رنگیں میں ڈھل رہے ہیں
ہزار پہلو بدل رہے ہیں — بہار دھومیں مچا رہی ہے
یہ کون اس وقت گا رہی ہے

فضائیں مخمور ہو چکی ہیں
ہوائیں مسرور ہو چکی ہیں
نگاہیں مسحور ہو چکی ہیں
خیال کو نیند آ رہی ہے
یہ کون اس وقت گا رہی ہے

حقیقتیں بے حجاب ہیں اب
مشیتیں بے نقاب ہیں اب
ہزارہا آفتاب ہیں اب
دل و نظر میں سما رہی ہے
یہ کون اس وقت گا رہی ہے

نفس خشوع و خضوع میں ہے
نظر سجود و رکوع میں ہے
یہ رنگِ ہستی شروع میں ہے
مشیت آنکھیں بچھا رہی ہے
یہ کون اس وقت گا رہی ہے

سرودِ فصلِ بہار بن کر
نشاطِ لیل و نہار بن کر
عروسِ لالہ عذار بن کر
جوانیاں سی لٹا رہی ہے
یہ کون اس وقت گا رہی ہے

سحاب دامن جھٹک رہا ہے — گلابِ خالص ٹپک رہا ہے
مشامِ ہستی مہک رہا ہے — نسیمِ فردوس آرہی ہے

یہ کون اس وقت گا رہی ہے

نگاہِ برقِ انتساب دے کر — حیاتِ پُر اضطراب دے کر
بشارتِ انقلاب دے کر — گرے ہوؤں کو اٹھا رہی ہے

یہ کون اس وقت گا رہی ہے

۵

شمعِ حریمِ تخریب چراغِ انجمنِ تعمیر بھی ہے
اس کارگہِ تدبیر میں تو مجبورِ تقدیر بھی ہے

آم

بڑھ کر اے دستِ طلب لطفِ صلائے عام اُٹھا
شرحِ نعمتہٗ علیکم میں کروں تو آم اُٹھا

غمزۂ ساقی، غمِ بادہ، نہ بارِ جام اُٹھا
تشنۂ ہستی اگر ہیں دیدہ و دل، آم اُٹھا

زر بکف، گل پیرہن، رنگیں قبا، آتش بجام
کسقدر شوخ ہیں جہانِ رنگ و بو میں آم اُٹھا

موج پر نبضِ جوانی جوش پر خونِ شباب
مستیاں بھرتا ہوا قلب و نظر میں آم اُٹھا

مجلسِ احباب میں تقدیم کیا تاخیر کیا
بے تکلف ہی، تکلف برطرف تو آم اُٹھا

اکل و شرب اس وقت ہی بیگانۂ لاتسرفوا
فکرِ بیش و کم نصیبِ مولوی تو آم اُٹھا

شعلۂ الفت، چراغِ حسن، شمعِ دلبری
کس تجمل سے بصد عنوانِ روشن آم اُٹھا

فرطِ مستی میں نہ ہو جائے شہیدِ دستِ شوق
اقتضائے مصلحت یہ ہی نظر سے آم اُٹھا

ایک بجلی سی چمکتی ہے میانِ رنگ و بو
انکی محفل سے نہ جانے کیا چرا کر آم اُٹھا

لے کر انگڑائی سرِ محفل بہ ایمائے ضیاؔ۱؎
جس طرح اک شاہدِ رنگیں اُٹھی یوں آم اُٹھا

کاندھلہ میں فیضؔ ذکرِ جنّتِ آدم نہ کر
دانۂ گندم تری قسمت نہیں تو آم اُٹھا

فردوسِ معصیت

تجلّیاتِ شرارِ پا کو اسیرِ دامِ نگاہ کیجئے
پناہ لے آفتابِ محشر فضائیں اتنی سیاہ کیجئے

غریقِ موجِ شراب بھی ہے خیالِ روزِ حساب بھی ہے
گناہ کیجے تو صدقِ دل سے کوئی مکمّل گناہ کیجئے

اک انجمن کیا بہ جنبشِ یک نظر دو عالم تباہ ہونگے
نہ یہ نشیب و فراز ہونگے نہ یہ سپید و سیاہ ہونگے

یہ جامِ صد پاش پاش کیسا، یہ ہاتھ میں ارتعاش کیسا
وہ جب حضورِ نگاہ ہونگے گناہ پھر بھی گناہ ہونگے؟

یہ میکدہ ہے تباہ کرکے تو اس کو خود بھی تباہ ہوگا
طلوع جب آفتاب ساغر نہ ہوگا عالم سیاہ ہوگا

بہ زعمِ کارِ ثواب زاہد، بہ شدتِ احتساب زاہد
شکستِ جامِ شراب زاہد، شکستِ دل ہی گناہ ہوگا

بلند جامِ شراب کیجئے، طلوعِ نو آفتاب کیجے
ربوبیت بے حجاب کیجے، الوہیت بے نقاب کیجے

بہ فکرِ انجامِ کارِ توبہ، گنہ بحدِ شمار توبہ
گناہ کیجے تو ضد پہ روزِ حساب کی بے حساب کیجے

بہارِ نکہت بدوش ہوگی ہزار نغمہ فروش ہوگی
چٹک چمن میں کلی کلی کی صدائے سازِ سروش ہوگی
کوئی جب آتش بجام ہوگا، نہ پوچھ کیا اہتمام ہوگا
زمانہ حیرت فروش ہوگا، خدائی آئینہ پوش ہوگی

جو رقص میں موجِ نور ہوگی، تو وجد میں پھول پھول ہوگا
فروغِ جامِ شرابِ رنگیں، سرورِ قلبِ ملول ہوگا
ہر ایک شے دل نشین ہوگی، تمام دنیا حسین ہوگی
وہ وقت ہوگا گناہ کا جب ہمارے دل پر نزول ہوگا

جو لطف اندوزِ میکدہ ہیں کرینگے جا کر وہ کیا حرم میں
یہی تو وہ ہیں قدم سے جنکے ہیں وسعتیں دامنِ کرم میں
ہماری تردامنی سے زاہد، ہے زہدِ خشک آب آب تیرا
ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں ہماری اک لغزشِ قدم میں

نگاہ ملتے ہی چشمِ ساقی سے اے دلِ ناصبور پی جا
ضرور پی جا شرابِ رنگیں میں گھول کر برقِ طور پی جا
یہ شکوۂ اذنِ عام کبتک یہ جذبۂ تشنہ کام کبتک
نظر جو بہکی ہوئی ہے اس سے جبینِ فطرت کا نور پی جا

ہمیں یہ رندانہ جراتیں ہی نہ بے نیازِ حساب کر دیں
کہیں یہ فردِ عمل کو لیکر نہ غرقِ جامِ شراب کر دیں
فسانۂ یوسف و زلیخا، کرشمۂ بے مثال تو یہ
ہم ایک چھینٹے سی مے کے واعظ اعادۂ صد شباب کر دیں

سزا جزا پستیاں ہیں ان سے بلند تر ہے نگاہِ آدم
مقامِ رُوح الامیں سی ہٹ کر گذرتی ہی شاہراہِ آدم
خیال رنگیں، جمال رنگیں، نگاہِ رنگیں، گناہ رنگیں؛
یہی وہ "فردوسِ معصیت" ہے بنا ہے جس کی گناہِ آدم

صلائے عام

ہے ثبت دہانِ لالہ و گل پر مہرِ سکوتِ عام
اک جامِ مئے رنگیں سے غافل توڑ طلسمِ شام

غافل توڑ طلسمِ شام
پھر ہو وقفِ صلائے عام

گردابِ حوادث، موجِ مصائب، طوفاں ہی طوفان
اس کشتیِ پارہ پارہ کا کیا دیکھئے ہو انجام

غافل توڑ طلسمِ شام
پھر ہو وقفِ صلائے عام

اُف! بادِ حوادث کے جھونکوں سے کانپ رہا ہے چاند

روشن نہ رہے گا ایسے میں تیرا یہ چراغِ بام

غافل توڑ طلسمِ شام

پھر ہو وقفِ صلائے عام

اُٹھ بیٹھا رہیگا کب تک یُوں تو ہاتھ پہ رکھے ہاتھ

اس کارگہِ ہستی میں اگر رہنا ہے تو کر کچھ کام

غافل توڑ طلسمِ شام

پھر ہو وقفِ صلائے عام

اُٹھ اور ثبوتِ ہستی دے اس کسل کدے کو چھوڑ

میدانِ عمل میں دوڑ یہاں آرام نہ لے آرام

غافل توڑ طلسمِ شام

پھر ہو وقفِ صلائے عام

اغیار اگر فردوس بھی دیں تو کھینچ لے اپنا ہاتھ

جذباتِ خودی مجروح ہوں جس سے ایسی وہ انعام

غافل توڑ طلسمِ شام

پھر ہو وقفِ صلائے عام

میدانِ عمل میں بربط و مینا چارۂ غم معلوم

ہر نغمۂ بے ہنگام ہے اک آوازِ شکستِ جام

غافل توڑ طلسمِ شام

پھر ہو وقفِ صلائے عام

لے شعلۂ غم سے روشن کر آتشکدۂ احساس

دے قلب و جگر کو لطفِ خلش سن چبھتا ہوا پیغام

غافل توڑ طلسمِ شام

پھر ہو وقفِ صلائے عام

آواز نہیں اس محشر ہا و ہو میں اگر آواز
مفہومِ نظارہ خبط نہ کر آنکھوں سے سنا پیغام
غافل توڑ طلسمِ شام
پھر ہو وقفِ صلائے عام

ہو جس کو نہ پاسِ خاطرِ غمگیں وہ ساقی بیکار
ہو جس میں نہ جوشِ رندانہ وہ کیسا مے آشام
غافل توڑ طلسمِ شام
پھر ہو وقفِ صلائے عام

یہ وقتِ جنوں ہے مصلحتِ ہر چون و چرا کو چھوڑ
دے رخصتِ پرواز آہوں کو اب اُن کا نہ دامن تھام
غافل توڑ طلسمِ شام
پھر ہو وقفِ صلائے عام

دِل آپ کو یاد کر رہا ہے

شفق کے دامانِ لالہ گوں سے شرابِ احمر برس رہی ہے

نسیمِ عیسٰے نفس میں بالکل شمیمِ فردوس بس رہی ہے

فضائے خاموش صبح کے بیقرار جلووں سے دُھل رہی ہے

بہار میزانِ رنگ و بو میں ہزار نخروں سے تُل رہی ہے

نگارِ مشرق کے پاؤں میں ہر شعاع مہندی لگا رہی ہے

عروسِ فطرت نگاہ نیچی کئے ہوئے پان کھا رہی ہے

شگفتِ غنچہ کی گدگدی سے مزاجِ تقدیر کھل رہا ہے

تبسمِ گل کو حسنِ یوسف شبابِ بلقیس مل رہا ہے

شعاعِ خورشید ہنس رہی ہے لباسِ نیلوفری بدل کر

بہار انگڑائی لے رہی ہے گلوں کی آغوش میں مچل کر

زبانِ غنچہ میں فصلِ گل اک پیامِ رنگین سنا رہی ہے

رُواں رُواں کھل رہا ہے سبزے کی جان میں جان آ رہی ہے

جبینِ نرگس سے دیدہ حور کی سی مستی چھلک رہی ہے

عروسِ لالہ کے عارضِ تر رنگین پہ شوخی جھلک رہی ہے

بڑے تکلف سے از سرِ نو چمن کی تنظیم ہو رہی ہے

کلی کلی پر یقینِ دل ہے حیات تقسیم ہو رہی ہے

نجومِ شبنم کچھ اس طرح ٹک رہے ہیں دامانِ گلستاں پہ

نقوشِ سجدہ ہوں جیسے اک گلعذار کے سنگِ آستاں پر

طیورِ نغمہ سرا کا جادو سحاب بن بن کے چھا رہا ہے

حقیقتوں پر ہے وجد طاری مجاز کو حال آ رہا ہے

خیال انگڑائی لے رہا ہے نگاہ مدہوش ہو رہی ہے

ہر ایک شے کائناتِ رنگیں کی خود فراموش ہو رہی ہے

جہانِ ہستی کا ذرہ ذرہ چمک اُٹھا آفتاب ہو کر
الٰہی اب کائنات بالکل رہے گی کیا بے حجاب ہو کر

کلی کی جب نیم باز آنکھوں پہ جامِ مے صاد کر رہا ہے
شکستِ غنچہ کی لے میں اس وقت کون فریاد کر رہا ہے

دِل آپ کو یاد کر رہا ہے
دِل آپ کو یاد کر رہا ہے

۹

بوقتِ آخر کھُلا یہ مجھ پر کہ عمر ناپائدار ہے یہ
شرابِ ہستی جو میں نے پی تھی سرور تھا وہ خمار ہے یہ

لال قلعہ (دہلی)

حسرت اندوز ہے حالِ دلِ دیوانۂ غم
عبرت آموز ہے ٹوٹا ہوا پیمانۂ غم
چشمِ عبرت ہی تو جا اُس قلعۂ سُرخ کو دیکھ
صفحۂ دہر پہ ہے سرخیِ افسانۂ غم

شعلۂ غم ہے شرارِ دلِ سودائی ہے
داغِ حسرت ہے چراغِ شبِ تنہائی ہے
تابشِ حسن سے دامانِ نظر سُرخ نہیں
خون میں ڈوبا ہوا لالۂ صحرائی ہے

پارہ پارہ جگرِ عالمِ ناسوت نہ ہو
چشمِ خونابہ فشاں معدنِ یاقوت نہ ہو
جس پہ برسی ہے شفق خون کا بادل بنکر
میری ہی عظمتِ رفتہ کا وہ تابوت نہ ہو

خواب بھی جس کا نہ دیکھا تھا وہ تعبیر ہے یہ
جس کی تخریب مقدّر تھی وہ تعمیر ہے یہ
آ ! دکھاؤں تجھے اے قاتلِ شمشیر بکف
تو نے جو کھینچی تھی خوں سے وہی تصویر ہے یہ

گاہ خونِنابہ فشاں ہے رُخِ برہم کی طرح
گاہ آئینۂ غم ہے دلِ پُرغم کی طرح
آہ جو کل تھا حنا بندِ عرُوسِ ہستی
آج ہے سُرخ مرے سینۂ ماتم کی طرح

وہ شہیدِ ستمِ گردشِ ایام نہ ہو
کشتۂ تیرِ نگاہِ سحر و شام نہ ہو
سر پہ ڈالے ہوئے اک پارچۂ خوں آلود
وقفِ ماتم کوئی دوشیزۂ اسلام نہ ہو

شعلۂ غم ہے پئے شمعِ شبستانِ وطن
اشکِ خوننابہ فشاں ہے پئے عنوانِ وطن
ہے ابھی روکشِ لالہ ابھی ہم رنگِ شفق
کس قدر شوخ اُٹھا خونِ شہیدانِ وطن

سجدۂ پائے ایاز اور سرِ محمود یہ کیا
اے شہِ انجمنِ عالمِ موجود یہ کیا
تابشِ حسن بہر شکل مسلم ہے، مگر
شعلۂ طور تہِ آتشِ نمرود یہ کیا

اے کہ تو وجہِ سکونِ دلِ مایُوس رہا
مالکِ تاج رہا، صاحبِ طاؤس رہا
حسن نے تجھکو وہ بخشی ہے تب و تابِ دوام
شمع بجھنے پہ بھی روشن ترا فانوس رہا

دیکھ غارت گرِ بتخانۂ آذر ہے تو
اس خموشی پہ بھی ہنگامۂ محشر ہے تو
تجھ کو میرے دلِ خونابہ فشاں ہی کی قسم
مسکرا خمکدۂ بادۂ احمر ہے تو

مسکرا اور سرا پردۂ افلاک کو پھونک
تفرقہ، جہل، خطر، ہر خس و خاشاک کو پھونک
غیر کا کام بھلا انجمنِ ناز میں کیا
صاعقہ پاش ہو اس خطرۂ ناپاک کو پھونک

قوسِ قزح

خنجرِ آبدار ہے، ابروئے تابدار ہے — ابروئے تابدار کیا کعبۂ روزگار ہے
نرگسِ میفروش نے دعوتِ بادہ نوش کی — ساغرِ ہفت رنگ میں میکدۂ بہار ہے
غنچۂ سر بمہر سے محشرِ رنگ و بو اُٹھا — عقدہ کشائے زندگی ناخنِ روزگار ہے
سینۂ مہر و ماہ میں تیغِ نگاہِ گُل فروش — عارضِ صبح و شام پر ثبت لبِ بہار ہے

آہ جو غم نصیب ہیں ان کو نوید عیش کیا
قوسِ قزح دمِ سحر خنجرِ آبدار ہے

کمالؔ

آخری ہچکی تری اذنِ سکوتِ عام ہے
یہ وہ لمحہ ہے کہ سورج بھی چراغِ شام ہے
مسئلہ شاید فنا کا آج زیرِ غور ہے
عالمِ ہستی جسے کہتے ہیں کوئی اور ہے
قلزمِ ظلمات میں گل کا سفینہ آگیا
ذرہ ذرہ کو گلستاں کے پسینہ آگیا
بربطِ دل کیا ربابِ زندگی خاموش ہے
نوحۂ غم نغمۂ شادی سے ہم آغوش ہے
صورتِ رنگِ رُخِ غمگیں اڑا جاتا ہے دِل
ورطۂ غم میں حباب آسا بہا جاتا ہے دِل

نغمۂ سازِ فنا، قانونِ ہستی کا سکوت
دُور ویرانے میں لے جاتا ہے بستی کا سکوت

ذرہ ذرہ منتظر ہے سرد ہے مغموم ہے
دیکھنا شاید یہی خاکِ دلِ مرحوم ہے

اے علم بردارِ آزادی و تیغِ بے نیام
ہے ہلال اپنا تصور سے ترے ماہِ تمام

مطربِ جادو نوا، روح و رواں، جانِ جہاں
گونج اُٹھا تیرے نغموں سے نیستانِ جہاں

یہ نسیمِ صبح میں جوہر تری شمشیر کے
غنچے غنچے کا کلیجہ رکھ دیا ہے چیر کے

تیری ہر چینِ جبینِ فکر اک پیغام تھی
آہ خاموشی بھی تیری بارشِ الہام تھی

شورشِ چون و چرا، ہنگامۂ مرگ و حیات
چشمِ بینا پر تری روشن رموزِ کائنات
حسنِ مستقبل کے تجھ سے کُل نظارے بے حجاب
بحر کے طوفان، پتھر کے شرارے بے حجاب
ظلمتِ غم سے زمین و آسماں روپوش ہیں
ایک خاموشی سے تیری دو جہاں خاموش ہیں
انتشارِ جزو وجہِ مرگِ کل ہوتا نہیں
موجِ نکہت سے چراغِ لالہ گل ہوتا نہیں
رشتۂ ہستی اجل سے قطع ہو جاتا نہیں
صورتِ تارِ نظر لیکن نظر آتا نہیں
مرنے والا دُور ہو کر بھی ہمارے پاس ہے
اس کے پہلو میں جگر ہے درد ہے احساس ہے

چشمِ ظاہر سے اثارتک آج گو مستور ہے
دُور رہنا اس کی شانِ منزلت سے دُور ہے
در حقیقت آج بھی وہ رہنمائے قوم ہے
بربطِ کونین پر نغمہ سرائے قوم ہے
کشتۂ ذوقِ یقیں ہے صرفِ سوز و ساز ہے
اب بھی ہر آواز پر وہ گوش بر آواز ہے

دیدۂ مردِ جواں غافل کبھی ہوتا نہیں
موت کی آغوش میں جا کر بھی وہ سوتا نہیں

خونابۂ دل

حادثۂ خاکسارانِ لاہور سے متاثر ہو کر

ثابت و سیارہ بحر و بر اسیرِ انقلاب
ذرے ذرے کا جگر ہے اور تیرِ انقلاب
خیمہ زن ہے لالہ و گل میں سفیرِ انقلاب
آہ ہر شے میں مقدّر ہے ضمیرِ انقلاب
انقلاب آئینِ فطرت ہے بدل سکتا نہیں
سوزنِ عیسےٰ سے یہ کانٹا نکل سکتا نہیں

طائرِ سدرہ اسیرِ گردشِ ایّام ہے
یوسفِ حکمت خریدارِ خیالِ خام ہے
نغمۂ داؤد آوازِ شکستِ جام ہے
برقِ ایمن کاکلِ دودِ چراغِ شام ہے
دیکھ کر ساری خدائی کو درِ شدّاد پر
جم گئے لختِ جگر آکر لبِ فریاد پر

لو چراغِ ہستئ فانی کی تھرائی ہوئی
ظلمتِ غم مطلعِ امیّد پر چھائی ہوئی
کشتئ دل ورطۂ اندوہ میں آئی ہوئی
طاقِ مایوسی پہ شمعِ رُوح لہرائی ہوئی
زندگی پر اک سکوتِ مرگ سا چھایا ہُوا
فطرتِ خاموش کا ہونٹوں پہ دم آیا ہُوا

شیشۂ ہستی غمِ سنگیں سے ٹکرایا ہُوا
دورِ پیہم سے سرِ ایّام چکرایا ہُوا
آتشِ دل سے رُخِ تقدیر کُملایا ہُوا
نالۂ غم سے دلِ کونین برمایا ہُوا

تیرگی سے خامُشی رودادِ غم کہنے کو ہے
آفتابِ شام کے چہرے سے خوں بہنے کو ہے

ذرے ذرے پر گمانِ دیدۂ خونابہ بار
غنچے غنچے پر یقینِ لاشۂ سینہ فگار
پتے پتے پر خیالِ کتبۂ لوحِ مزار
زندگی بسمل مشیّت مضطرب فطرت شکار

ہر نظر مجروح ہے ہر دل کبابِ سیخ ہے
سانس امیدِ زخم خوردہ کی تڑپتی چیخ ہے

قلزمِ غم ہے جہازِ ہستیِ موہوم ہے
صرصرِ اندوہ ہے شمعِ دلِ مغموم ہے
بارشِ تیرِ ستم ہے سینۂ معصوم ہے
ضربتِ تیغِ دو دم ہے گردنِ مظلوم ہے

الحفیظ و الاماں کیا انقلابی دَور ہے!
مخزنِ فوّارۂ خوں سینۂ لاہَور ہے!

پرچمِ ظلم و ستم ہے قصرِ استبداد پر
بیعتِ جور و جفا دستِ ستم ایجاد پر
نقش ہائے قتل و غارت دامنِ بیداد پر
غازۂ خونِ عنادل چہرۂ صیّاد پر

رو نمائے شیطنت آئینۂ چنگیز ہے
لوحِ ہستی پر خراشِ ناخنِ انگریز ہے

لالۂ خونیں کفن زیبِ قبائے شام ہے
شیشۂ فطرت میں خونِ شاہدِ ایّام ہے
سرخیِ بابِ حکومت تیغِ خوں آشام ہے
ذرے ذرے کی زباں پر حکمِ قتلِ عام ہے
سینکڑوں آبِ دمِ خنجر میں سینے غرق ہیں
زندگی کے قلزمِ خوں میں سفینے غرق ہیں

ضربتِ غم سے ربابِ زندگی ٹوٹا ہوا
شیشۂ ہستی کفِ ایام سے چھوٹا ہوا
ہاتھ زخمی، سینہ خوں آلود، سر پھوٹا ہوا
دشمنوں کا سو طرح اک کارواں لوٹا ہوا
دشتِ غربت میں متاعِ زندگی کھوئی ہوئی
کس مپرسی بے بسی کی گود میں سوئی ہوئی

ہر دلِ مغموم اک اُجڑی ہوئی بستی ہے آج
جذبۂ گردوں نشیں سم خوردۂ پستی ہے آج
پنجۂ گرگِ اجل میں یوسفِ ہستی ہے آج
کس قدر افسوس جنسِ زندگی سستی ہے آج
تیغ جب انگڑائی لیتی ہے جوانی کی طرح
خوں اُبلتا ہے ہر اک سینے سے پانی کی طرح

گولیوں سے ہر تنِ مجروح برمایا ہوا!
سینۂ رنگیں پہ لطفِ خاص فرمایا ہوا!
خاک و خوں میں حریت کا لاشہ کفنایا ہوا!
مثلِ سنگِ رہ گذر نفرت سے ٹھکرایا ہوا!
نالۂ دل ہے کہ آوازِ شکستِ جام ہے
نشترِ تثلیث پیوستِ رگِ اسلام ہے

قطرۂ خوں شعلۂ شمعِ شبستانِ حیات

ذرۂ دل سنگِ ہر بنیادِ ایوانِ حیات

موت کا پیغام آیا ہے بعنوانِ حیات

مرنے والوں کے قدم پر تاجِ سلطانِ حیات

لا کہیں سے شورشِ طوفاں سفینے کے لئے

مسلمِ خوابیدہ مرنا سیکھ جینے کے لئے

دُھل چکا داغِ تمنّا دیدۂ نمناک سے!

سِل چکا چاکِ جنوں عقلِ گریباں چاک سے!

مِل چکی دادِ نظارہ جلوۂ بے باک سے!

ہاتھ اُٹھا اور چھین لے ساغر کفِ افلاک سے!

دے جوابِ ظلم اب تو بھی زبانِ تیر سے

فیض سینے کو ملا دے سینۂ شمشیر سے

سفرِ حیات

تہِ دامِ حسن و نظر آ رہا ہوں
فریبِ مہ و کہکشاں کھا رہا ہوں
دھڑکتے ہوئے دل کے نقشِ قدم پر
نہ معلوم میں کس طرف جا رہا ہوں
اندھا دھند لیکن چلا جا رہا ہوں

دلِ غنچۂ شرمگیں گدگداتا
خموشی کو آدابِ نغمہ سکھاتا
نسیمِ سحر کی طرح گلستاں میں
نقابِ رُخِ لالہ و گُل اُٹھاتا
خراماں خراماں چلا جا رہا ہوں

نفس ہے کہ گنجینۂ اسمِ اعظم
نظر ہے کہ آئینۂ حسنِ برہم
مری سمت اٹھی جا رہی ہیں نگاہیں
مگر بے نیازِ نگاہِ دو عالم
میں گردن جھکائے چلا جا رہا ہوں

کہیں میں حنا بندِ شام و سحر ہوں ۔۔۔ کہیں میں ہم آغوشِ شمس و قمر ہوں
کہیں ہوں چراغِ حریمِ مشیّت ۔۔۔ کہیں آئنہ دارِ قلب و نظر ہوں

بہر شکل و صورت چلا جا رہا ہوں

نسیمِ سحر کی سبک سیر آہیں ۔۔۔ رگِ گل سے پھوٹی ہوئی شاہراہیں
اُبلتی ہوئی لالہ زارِ شفق سے ۔۔۔ ہزاروں گلابی گلابی نگاہیں

رگِ جاں بنائے چلا جا رہا ہوں

سرِ رہگذر دیدہ و دل بچھاتا ۔۔۔ جبیں نقشِ پائے صنم پر جھکاتا
مئے حمستانِ مجاز آزما کر ۔۔۔ حجابِ حریمِ حقیقت اُٹھاتا

بہ بانگِ دہل میں چلا جا رہا ہوں

تبسّم بہ لب لالہ زاروں کے جلوے ۔۔۔ ترنّم بکف آبشاروں کے جلوے
سرِ گلستاں جادۂ رنگ و بو پر ۔۔۔ میں ہنستے ہوئے ماہ پاروں کے جلوے

نظر پر اُٹھائے چلا جا رہا ہوں

سنانِ قضا چشم آہو نظر ہیں　　مئے راہ زن ساغرِ راہ بر ہیں

جہاں سانس آوازِ پائے قیامت　　تعجب اُسی وادی پُر خطر ہیں

میں ہنستا ہنستا چلا جا رہا ہوں

(۲)

شبِ تار ہے دل بجھا جا رہا ہے　　زمیں پر فلک پیچ و خم کھا رہا ہے

نشیب و فرازِ رہِ زندگی ہیں　　اگرچہ بمشکل چلا جا رہا ہے

مگر میں مسلسل چلا جا رہا ہوں

گرفتارِ ہر ذرۂ رہ گذر ہوں　　پرستارِ ہر جلوۂ بام و در ہوں

اس آئینہ بردوش حیرتکدے میں　　اسیرِ طلسمِ خیال و نظر ہوں

ہر اک شے کو تکتا چلا جا رہا ہوں

کوئی خضرِ منزل نہ بانگِ درا ہے　　نظر دم بخود، دل اسیرِ قضا ہے

نہایت تکلف سے منزل بمنزل　　مجھے کوئی کھینچے لئے جا رہا ہے

میں افتاں و خیزاں چلا جا رہا ہوں

وہ دریا جہاں تشنگی ناخدا ہے ‏ ‏ وہ صحرا جہاں گمرہی رہنما ہے
وہ ساحل جہاں ڈوبتے ہیں سفینے ‏ ‏ وہ محفل جہاں خون رنگِ حنا ہے

سرِ راہ ہے میں چلا جا رہا ہوں

صدائے شکستِ دل، اذنِ ترانہ ‏ ‏ زبانِ مژہ پہ جگر کا فسانہ
وہ حیرت میں کھوئے ہوئے سے مناظر ‏ ‏ یہ حیرت میں ڈوبا ہوا سا زمانہ

نظر میں ہے لیکن چلا جا رہا ہوں

خیالِ گل و نسترن باغباں کو ‏ ‏ تلاشِ مہ و کہکشاں آسماں کو
اگرچہ ہر اک چیز جلوہ بکف ہے ‏ ‏ مگر میں سناں غمِ رفتگاں کو

جگر سے لگائے چلا جا رہا ہوں

چراغِ چمن آتشِ آشیانہ ‏ ‏ حیات و ممات اتفاق و بہانہ
بدستور راہِ سپید و سیہ پر ‏ ‏ مشیت کا کھاتا ہوا تازیانہ

میں پابندِ قسمت چلا جا رہا ہوں

کبھی مطمئن تنگ نائے قفس پر
کبھی گامزن شاہراہِ ہوس پر
غرض میں یونہی رشتۂ زندگی کو
بہ اندازۂ یک قدم ہر نفس پر
بڑھا کر گھٹاتا چلا جا رہا ہوں

پیغام

رونقِ بزمِ وطن ہو غیر کی محفل کو پھونک
جوہرِ قابل سہی ہر اندیشۂ باطل کو پھونک
جو فنا کر دے ترے دل سے مذاقِ جستجو
درگذر ایسے خضر سے اور اس منزل کو پھونک
جو نہ بننے دے حریفِ شورشِ طوفاں تجھے
غرق کر اس ناخدا کو اور اس ساحل کو پھونک
بجلیاں جس کے نہ ہر دانے پہ سجدہ ریز ہوں
ایسے خرمن کو جلا دے اور اس حاصل کو پھونک
جو کرے تیرِ نگاہِ گرم سے پہلو تہی
اس جگر کو خاک کر دے اور ایسے دل کو پھونک
شعلہ ہائے ملت و آئیں سہی پر رہزن نہ بن
آتشِ گل بن مگر شعلہ زنِ گلشن نہ بن

قحطِ مروّت

اُس قبرِ شکستہ کو دیکھ کر جو دہلی سے جانب غرب میدان تیس ہزاری میں
پامالِ ہر خاص و عام اور بقولِ معتبر زیب النّساء مخفی کی خلوت گہِ آرام ہے ؛

مضمحل ہے گوشۂ مغرب میں کچھ یوں آفتاب
جیسے ڈھل جائے کسی کا وقت سے پہلے شباب

دم بخود ہے یوں بلندی پر شعاعِ آخری
جیسے محرومِ تخاطب ہو نگاہِ اجتناب

محو ہو کر رہ گئے کچھ یوں نقوشِ آب و گل
جس طرح افلاس میں آ کر چلا جائے شباب

یوں کھٹکتا ہے دلِ فطرت میں پیکانِ سکوت
جیسے پیری میں جوانی کا گناہِ کامیاب

تھم گئی ہے چلتے چلتے اس طرح نبضِ حیات

ٹوٹ جائے بجتے بجتے جس طرح تارِ رباب!

پل رہی ہیں ظلمتیں یوں زیرِ دامانِ شفق

جس طرح پیری جواں پی پی کے ہو خونِ شباب

ہے کچھ ایسا امتزاجِ نور و ظلمت جس طرح

ناامیدی میں سکوں، امید میں ہو اضطراب

دی مجھے آواز ایسے میں دلِ ناکام نے

تجربے جس پر کئے ہیں گردشِ ایام نے

دیکھ وہ بکھری ہوئی ہی خاک پھیلا سا غبار

جانبِ مغرب، سرِ میداں، قریبِ رہگذار

مرقدِ زیب النسا ہے اور بایں حالِ تباہ

ہم بتانے پر بھی جس کو کہ نہیں سکتے مزار

تھرتھراتی ہے جہاں آتے ہوئے موجِ نسیم
پرورش پاتی ہے جس میں گردشِ لیل و نہار
ہے یہی وہ غنچۂ پامال جس پر شمع ساں
مسکراتی ہے خزاں، آنسو بہاتی ہی بہار
چشمِ عبرت کے لئے وہ منزلِ حسرت جہاں
ہے شگفتِ غنچہ بھی ٹوٹے ہوئے دِل کی پکار
اس جگہ مخفی ہے وہ گنجینۂ حسن و جمال
جس کی خدمت میں تجلی گردتھی جلوے غبار
جس کی نظروں سے عطا ہوتا تھا بجلی کو سکوں
جس کا دِل سیماب کو تقسیم کرتا تھا قرار
دیدۂ کشور کشا میں جذبِ عالمگیر تھا
جس کی ہر چینِ جبیں میں جوہرِ شمشیر تھا

ہے یہاں خوابیدہ وہ پیغمبرِ شعر و سخن
جس کے سوزِ دل سے روشن تھا چراغِ انجمن
ناخنِ وحشت سے جس کے دامنِ یزداں تھا چاک
جس کے قدموں پر اچھلتی تھی کلاہِ اہرمن
جس کے عکسِ دیدۂ فطرت نگر کے فیض سے
صبح نورانی قبا تھی شام رنگیں پیرہن
مہر و مہ جس کے جلو میں کارواں در کارواں
لالہ و گل جس کی خدمت میں چمن اندر چمن
تھی لبِ رنگیں پہ جس کے شوخئ حدِّ کمال
تھا دلِ روشن میں جس کے جذبۂ تکمیلِ فن
جس کو دی فکرِ رسا نے رفعتِ عرشِ بریں
جس نے دی طبعِ رواں کو موجۂ گنگ و جمن!

مُسکرا پڑتے تھے جس کی بات سے افسردہ دل
کھِل کھِلا اُٹھتے تھے جس کے شعر پر آشفتہ تن

سرگذشتِ شمعِ محفل، قصۂ پروانہ تھا
جس کا حرفِ زیرِ لب اِک مستقل افسانہ تھا

جس سے برپا تھا کبھی ہنگامۂ حشر آفریں
آہ اب اس کو میسر فاتحہ خواں بھی نہیں

اس کی تربت کا ہر اک ذرہ ہے یوں سہما ہؤا
جیسے ویرانے میں کھو جائے کوئی ناز آفریں

آج ہے وہ اس مقامِ کس مپرسی پہ جہاں
تا قیامت آ نہیں سکتا خیالِ ہم نشیں

ہے جہاں کچھ اس طرح ہستی ہم آغوشِ اجل
جس طرح کردے کوئی زہراب میں حل انگبیں

ہے جہاں یوں دیدۂ حسرت پہ ہر منظر گراں
جس طرح مومن کے دل پر ہو گناہِ اولیں

جس پہ یوں پڑتی ہے لہرا کر شعاعِ آفتاب
جس طرح کامل پہ ناقص کی نگاہِ نکتہ چیں

ہے جہاں کچھ یوں مکدّر شیشۂ صبحِ بہار
ہو شبِ فرقت میں جیسے جلوۂ ماہِ مبیں

فیض یہ قبرِ شکستہ سرزمینِ ہند پر
داغ ہے "قحطِ مروّت" کا جبینِ ہند پر

ابرِ مے فروش

ماحول حسن پاش، فضائیں جمال پوش

دل میکدہ پرست، نظر گلستاں فروش

فطرت قدح بدست، مشیت سبو بدوش

روح الامیں ہے مہتمم بزم نائے و نوش

مغرب سے جھوم کر جو اُٹھا ابرِ مے فروش

"حافظ قرابہ کش شد و مفتی پیالہ نوش"

ساغر بدست لالہ و گل، مہر و ماہ مست!
لغزیدہ پا نسیم ہے ابرِ سیاہ مست!
بیدار روح، دیدۂ دل وا، نگاہ مست!
کعبہ جمیل، دیر حسیں، خانقاہ مست!
غرقِ شراب ہیں، گروِ ابرِ مے فروش
ریشِ شیوخ و خرقۂ رندانِ بادہ نوش

گل خالقِ نظر ہے، نظر موجدِ جنوں
ہر صبح اک طلسم ہے، ہر شام اِک فسوں
تدبیر سرفراز ہے، تقدیر سرنگوں
طغیانیِ گناہ سے جوشِ کرم فزوں
ہے چارہ سازِ بیم و رجا ابرِ مے فروش
بادہ بخور خدا است خطا بخش و جرم پوش

جلووں کی گودیوں میں مچلتے ہوئے شباب
بوندوں کی ٹھوکروں سے ابھرتے ہوئے حباب
جوئے سبک خرام پہ موجِ شرابِ ناب
ہے سینۂ جمود میں شمشیرِ انقلاب

ہے جلوہ بخشِ دیدہ و دل ابرِ میفروش
پرکن زبادہ جام و ببانگِ دہل بنوش

فرطِ طرب سے رنج و محن جھومنے لگے
نیل و فرات، گنگ و جمن جھومنے لگے
نغموں کے زیر و بم سے چمن جھومنے لگے
موروں کے کوکتے ہی ہرن جھومنے لگے

سبزہ لہک رہا ہے تہِ ابرِ مے فروش
بشنو زمن حکایتِ جمشید و مے بنوش

لیل و نہار، شام و سحر مسکرا اُٹھے
دشت و جبال، کوہ و کمر مسکرا اُٹھے
اوراقِ گل پہ لعل و گہر مسکرا اُٹھے
نقشِ قدم سے راہ گذر مسکرا اُٹھے

ہر چیز ہنس رہی ہے تہِ ابرِ میفروش
تو نیز غرقِ مے غمِ دیں کن بعیش کوش

غنچے چٹک چٹک کے زباں کھولنے لگے
نغمے خموشیوں میں شکر گھولنے لگے
مرغِ شکستہ بال جو پر تولنے لگے
پہلی پھوار ہی میں چمن بولنے لگے

ہے گلستاں پہ سایہ فگن ابرِ میفروش
بشکن غرورِ زہد و ورع فیض مے بنوش

دمِ واپسیں

ایک ضعیفہ کو بحالتِ کس مپرسی دم توڑتے ہوئے دیکھکر

نظر تھی کہ موجِ مئے کامرانی نفس تھا کہ پیغمبرِ زندگانی

کبھی دِل تھا آئینۂ حسنِ الفت مگر اب وہی جنّتِ شادمانی

تغیّر بکف انقلاب آفریں ہے

دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

مسرّت کہانی تبسم فسانہ سمندِ سکوں پر نظر تازیانہ

دگرگوں ہے رنگِ رُخِ ارغوانی مذبذب ہے حالِ دلِ والہانہ

فلک سر بزانو مکدّر زمیں ہے

دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

سراپا تباہی مجسّم ہلاکت یہ صبحِ سفر ہے کہ شامِ قیامت
کھنچی جا رہی ہے طنابِ رگِ جاں بجھا جا رہا ہے چراغِ بصارت
نظر مخبرِ غمِ دل اندوہگیں ہے
دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

فضا گرد آلود تاریک راہیں جگر دوز نالے غم اندوز آہیں
خوشی سر برہنہ سکوں سر بزانو تھکا سا تنفّس بجھی سی نگاہیں
سحر دم بخود، شام چیں بر جبیں ہے
دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

وہ اُٹھا نقابِ رُخِ بے ثباتی وہ آئی عروسِ قضا مُسکراتی
فضائیں مکدّر، ہوائیں پریشاں نفس کپکپاتا نظر تھرتھراتی
سکوں مضطرب زندگی خشمگیں ہے
دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

نظر سوز رنگِ رُخِ بے وفائی　　جگر دوز شمشیرِ بے اعتنائی

یہ آنکھیں چُراتا ہُوا سا زمانہ　　یہ نظریں بدلتی ہوئی سی خدائی

غمِ ہم نفس، شکوہ ہم نشیں ہے

دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

غزالِ نظر دامِ شرمندگی ہیں　　شبِ تارِ دامانِ تابندگی ہیں

سرِ زندگی نقشِ پائے قضا پر　　سنانِ قضا سینۂ زندگی ہیں

زمیں فتنہ پرور فلک نکتہ چیں ہے

دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

ہوائیں تکدّر، فضا پر اُداسی　　فلک بھوکا بھوکا زمیں پیاسی پیاسی

دھُواں چھن رہا ہے مسامِ سحر سے　　ہر اک چیز پر چھا رہی ہے گھٹا سی!

نگاہیں کہیں، رُخ کہیں، دل کہیں ہے

دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

کفِ بے کسی میں دلِ خودنمائی	درِ بے رُخی پر سرِ آشنائی
سسکتی ہوئی شمعِ بزمِ تجمّل	تڑپتا ہُوا لاشۂ دلِ ربائی

تجلّی سیہ پوش زہراگیں ہے
دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

خیالِ مقدم نہ فکرِ مؤخّر	غمِ راہ زن ہے نہ احسانِ رہ بر
عجب شان سے جارہا ہے مسافر	نظر جانبِ شافعِ روزِ محشر

تخاطب سوئے احکم الحاکمیں ہے
دمِ واپسیں ہے، دمِ واپسیں ہے

پیغامِ عید

سُن وہ اُٹھے غلغلہ ہائے صلائے عامِ عید
اُٹھ وہ چھلکی ساغرِ گُل سے مئے گلفامِ عید
چھین بھی لے دستِ رنگینِ شفق سے جامِ عید
اے نگاہِ روزہ دار اے تشنۂ پیغامِ عید

موتیوں سے اوس نے ٹانکی قبائے مرغزار
پھول نے ہر شاخ کو بخشی کلاہِ زرنگار
ہر کلی آویزۂ گوشِ عروسِ نوبہار
نونہالانِ چمن ہیں طفلِ گُل اندامِ عید

ذرہ ذرہ مرکزِ عکسِ چراغِ طور ہے
غنچہ غنچہ حاملِ رازِ دلِ منصور ہے
جلوۂ رنگیں سے دامانِ نظر معمور ہے
آفتابِ روزِ محشر ہے چراغِ بامِ عید

زمزمہ پیرا ہے ہر تارِ ربابِ زندگی
مہر و مہ ہیں آئینہ دارِ شبابِ زندگی
ذرہ ذرہ سے چھلکتی ہے شرابِ زندگی
ہیں تو کیا کون و مکاں ہیں رندِ مے آشامِ عید

ہے درونِ لالہ یوں آباد دنیائے شرار
جس طرح ہو جامِ رنگیں میں کوئی شے آبدار
منعکس ہے دیدۂ نرگس میں یوں عکسِ بہار
مرتسم میرے نگینِ دل پہ جیسے نامِ عید

اے ہلالِ عید اے چینِ جبینِ جبرئیل
غیرتِ محرابِ کعبہ، رشکِ موجِ سلسبیل
خنجرِ سیمیں، کمانِ نقرئی، تیغِ اصیل
گوش بر آواز ہے مسلم سُنا پیغامِ عید

مسلم نازک بدن، رنگیں قبا، خلعت بدوش
زر بکف، گل پیرہن، زہرہ جبیں، جلوہ فروش
اے اسیرِ عشرتِ امروز، وقفِ نائے و نوش
ہے علاوہ شیر کے کچھ اور بھی انعامِ عید

حاملِ صد عرش ہوتی ہے زمینِ اتحاد
بے نیازِ سجدہ رہتی ہے جبینِ اتحاد
کاش ہو جائیں مسلماں بھی رہینِ اتحاد
اتحادِ باہمی دراصل ہے پیغامِ عید

کیف و کم

پھول گلزارِ شادمانی کا
آئینہ شاہدِ معانی کا
ماہِ کاملِ شبِ جوانی کا
جامِ صہبائے ارغوانی کا
ہے امیں عمرِ جاودانی کا

خضرِ منزل ہو رہزنِ منزل
موجِ کوثر ہو خنجرِ قاتل
مسئلہ ہے یہ غور کے قابل
ان کو ماتم ہو اور سرِ محفل
پھر دلِ خلد آشیانی کا

اس جہاں کا عجیب عالم ہے
خندۂ گل رہینِ شبنم ہے
نیش میں نوش کیف میں کم ہے
شادمانی ذریعۂ غم ہے
غم ذریعہ ہے شادمانی کا

آئینہ دارِ حسنِ جزو و کل　　　لبِ مینا پہ نغمۂ قلقل
بیشک اے نورِ دیدۂ بلبل　　　آستیں میں چھپا کے لالہ و گل
لائے ہیں بُت تری جوانی کا

چشم تر، دل مرقعۂ حسرت　　　صورتِ غم ہوں میں بہر صورت
سو گیا اے مصوّرِ فطرت　　　کب سے میرا نوشتۂ قسمت
منتظر ہے نگاہِ ثانی کا

لے سبق حادثاتِ فطرت سے　　　دیکھ ہر شے کو چشمِ عبرت سے
دُور رہ فکرِ رنج و راحت سے　　　کام لے فیضِ عقل و حکمت سے
"کیا بھروسا ہے زندگانی کا
"آدمی بُلبلا ہے پانی کا"

آب جو

پانی کی روانی وہ روانی کا قرینہ
ہو رقص میں جیسے کوئی مخمور حسینہ

آغوش میں ساحل کی مچلتی ہوئی موجیں
موجوں میں لرزتا ہوا سورج کا سفینہ

جذبہ یہ کامل ہی کہ ہے جوشِ جوانی
موجوں کا نظر آتا ہے ابھرا ہوا سینہ

بکھری ہوئی شبنم ہے نہ فطرت کا تبسم
ٹپکا ہے ابھی عارضِ کوثر سے پسینہ

سویا ہوا سبزہ ہی کہ بکھرے ہوئے گیسو
چٹکی ہوئی کلیاں کہ تبسم کا خزینہ

گر یونہی بڑھے جذبِ اثر پہلو بہ پہلو
گر یونہی رہے حسن و نظر سینہ بسینہ

اشنان کو حوریں نہ اتر آئیں فلک سے
تاروں کی شعاعوں کا لگا کر کہیں زینہ

اے تو کہ تیرا جلوہ نظر سوز دلِ افروز
ہندو کی بنارس ہی مسلماں کا مدینہ

مجھکو بھی تو اپنی ہی سے انداز عطا کر
مجھکو بھی تو اپنا ہی سا سکھلا دے قرینہ

پروردۂ صحرا کی ہو ہر بادیہ منزل
آسودۂ طوفاں کا ہو ہر موج سفینہ

آزاد رہوں قید سے میں شام و سحر کی
دنیا میں مری سال ہو کوئی نہ مہینہ

دلدادۂ عشرت ہوں نہ سم خوردۂ حسرت
فکرِ مہ و مے ہو نہ غمِ نانِ شبینہ

دھو ڈال مرے صفحۂ دل سے غمِ دنیا
دنیا بھی وہ دنیا کہ جو دنیائے کمینہ

آئینۂ دل تیری طرح ہو مرا روشن
آئینۂ دِل ہو کہ مشیّت کا دفینہ

نرگس کی بخوبی ابھی آنکھیں نہ کھلی ہوں
گل کو ابھی آیا نہ ہو ہنسنے کا قرینہ

افشاں نہ چھٹی ہو ابھی سبزے کی جبیں سے
سوکھا ہو ابھی عارضِ گل کا نہ پسینہ

ہر سمت ہوں ہیرے سے دمکتے ہوئے یعنی
معمور ہو شبنم سے گلستاں کا خزینہ

ہو صبح کے جلووں میں نہایا ہوا تارا
تارا کہ سلیماں کی انگوٹھی کا نگینہ

اس وقت کچھ اس طور سے کوئل کہیں کوکے
غنچے کی طرح چیر کے رکھ دے مرا سینہ

کونین کو جامِ دلِ غم کوش میں لے لوں
جو شے نظر آئے اُسے آغوش میں لے لوں

وحشی شاہجہاں پوری مرحوم

کوکبِ لرزاں، مہِ کامل، ضیا بارِ حیات — اشکِ غم موجِ تبسم آئینہ دارِ حیات

لالۂ صحرا، گلِ فردوس، میخوارِ حیات — ہے غمِ برقِ فنا سے دُور گلزارِ حیات

انتقالِ روح سے انساں فنا ہوتا نہیں

جسم کھو دیتا ہے لیکن زندگی کھوتا نہیں

چشمِ بینا ہو تو موت اک خطرۂ موہوم ہے — لفظِ مستعمل ہے لیکن تشنۂ مفہوم ہے

کچھ خبر بھی دیدۂ تر اے دلِ مغموم ہے — اہلِ مجلس پر نگاہِ وحشیِ مرحوم ہے

شکوۂ فرقت عبث، شرحِ الم بیسود ہے

وہ نہیں تو روح اس کی اس جگہ موجود ہے

نغمۂ بلبل، اذانِ غنچہ، گلبانگِ چمن
بربطِ ملت، ربابِ قوم، قانونِ وطن

مشعلِ محفل، چراغِ بزم، شمعِ انجمن
اے کہ تیرے فکر سے روشن ہے قندیلِ سخن

نطق پرور ہے، تکلم زا ہے، معنی خیز ہے
سچ تو یہ ہے تیری خاموشی بھی شعر انگیز ہے

کیفِ ہستی، نشۂ عالم، سرورِ روزگار
ساغرِ تسکین، خمستانِ سکوں، جامِ قرار

ساتگینِ گل، مئے شبنم، بلانوشِ بہار
اے کہ تیرا لہجۂ سحر آفریں صوتِ ہزار

قلبِ روشن، چشمِ حق بیں، فکرِ خوش انجام ہے
محفلِ علم و ادب میں، تو صلائے عام ہے

نغز گو، معجز بیاں، جادو رقم، شیریں مقال
اہلِ فن، اہلِ زباں، اہلِ ہنر، اہلِ کمال

سحرِ دل، سحرِ نظر، سحرِ مبیں، سحرِ حلال
اے کہ ہیں حور و فرشتہ تیرے پابندِ خیال

بادہ پاشِ جلوہ ہے، صہبا فروشِ نور ہے
تیرے پرتو سے ہر اک ذرہ چراغِ طور ہے

عشرتِ ساحل کبھی، طوفانِ بے ساحل ہے تو — رہ روِ منزل کبھی، خضرِ رہِ منزل ہے تو

چہرۂ محفل کبھی آئینۂ محفل ہے تو — اے کہ شمعِ دل کبھی فانوسِ شمعِ دل ہے تو

مے فروشِ زندگی، پیغمبرِ ہستی اُٹھا

تیری نظروں سے نقابِ شاہدِ ہستی اٹھا

مژدۂ جاں بخش، پیغامِ حیاتِ جاوداں — شارحِ رمزِ محبت، کاشفِ سرِ نہاں

گلشنِ تخیّل تو، میخانۂ فکرِ جواں — ہم نوائے جبرئیل اے شاعرِ ہندوستاں

فیضِ کم مقدار کو تحسینِ لاتعداد دے

پھر پڑھوں میں "نظمِ سرشاری"[ع۱] اگر تو داد دے

ع۱ میری نظم "لمحۂ سرشاری" جسکو مرحوم نے بزم دولتکدۂ خواجہ محمد شفیع صاحب دہلوی سن کر آخری مرتبہ داد دی ٭

ظہورِ قدسی

گھٹائیں جہالت کی منڈلا رہی تھیں
زمانے پہ تاریکیاں چھا رہی تھیں

چراغِ ھدایت بجھا جا رہا تھا
اخوّت کا ہونٹوں پہ دم آ رہا تھا

حمیّت کو تھا شکوۂ کم عیاری
لہو تھا سرِ آدمیّت سے جاری

حیا مٹ رہی تھی، حجاب اُٹھ رہا تھا
رُخِ این و آں سے نقاب اُٹھ رہا تھا

تھی لاکھوں خداؤں کی قائم خدائی
من و تو کو مدِّ نظر خود نمائی

ہم آغوشِ بیت الحرم تبکدا تھا
ہر اک سنگ پارہ عرب کا خدا تھا

عرب کیا یہی تھی عجم کی بھی حالت
کہیں کشت و خوں تھا کہیں قتل و غارت

غرض تھا کچھ ایسا زبوں رنگِ محفل
نہ کہنے کے لائق نہ سُننے کے قابل

یکایک ہوا چاک دامانِ ظلمت — ہویدا ہوا آفتابِ نبوت

ہر اک ذرہ ہنسنے لگا طور ہو کر — اندھیرے نے انگڑائی لی نور ہو کر

محمد خدا کی طرف سے پیامی — شہ رُوح الامیں جس کا ادنی اسلامی

وہ جس کی نظر شاہراہِ حقیقت — وہ جس کی اطاعت خدا کی اطاعت

وہ جس نے گداؤں کو سلطاں بنایا — وہ جس نے درندوں کو انساں بنایا

وہ جس نے اندھیرے کو تابندگی دی — وہ جس نے دلِ مردہ کو زندگی دی

وہ توحید کی جس نے بنیاد ڈالی — غریبوں کا مالک یتیموں کا والی

وہی ہے وہی وجہِ تکوینِ عالم

وہی ہے وہی وجہِ تسکینِ عالم

طلوعِ امید

جگمگا اٹھی جو قسمت مرے کاشانے کی
دیکھتا کیا ہوں پری ایک پری خانے کی

جھومتی جھامتی اس طرح چلی آتی ہے
جس طرح قلبِ مسلماں پہ ہو القا نیکی

بجلیاں بھر گئیں دامانِ نظر میں میرے
دل پہ طاری ہوئیں کیفیتیں پروانے کی

ہوش کا قلزمِ مستی میں سفینہ ڈوبا
شیشۂ عقل کو ٹھوکر لگی دیوانے کی

سر بسجدہ ہوئے جذبات مرے دل میرا
سرزمیں بن گئی کعبہ مرے تنجانے کی

یہ کہا میں نے کہ اے انجمن آرائے جہاں
تجھ سے روشن ہے فضا میرے سیہ خانے کی
مے برستی ہے جبیں سے تری شبنم بن کر
گل کے آئینہ میں تصویر ہے میخانے کی
نرگسِ مست کی یہ مست نوازی، توبہ!
آنکھ شرمائے جسے دیکھ کے پیمانے کی
یہ نظر کفر اثر، جس کی پجاری دُنیا
جو بنا ڈال دے کعبہ میں صنم خانے کی
لالۂ عارضِ گلگوں، شفقِ گوشۂ چشم
سُرخیاں دو ہیں مگر ایک ہی افسانے کی
چشمکیں، شوخیاں، انداز، کرشمے، غمزے
مے یہ ڈھالی ہوئی ہے کونسے میخانے کی

جنبشِ لب سے مگر برقِ تبسّم چمکی
جس سے تجدید ہوئی طور کے افسانے کی

یہ کہا اس نے مرے دل کو مخاطب کر کے
بے خبر! شمع ہوں میں تیرے ہی کاشانے کی

عکس سے میرے منوّر ہے فضائے ہستی
شرطِ کعبہ ہے نہ تخصیص صنم خانے کی

شورشِ جذبۂ منصور ہے میری وحشت
قُم کی آواز ہے ٹھوکر مرے دیوانے کی

شانِ دوشیزگی حسنِ عبارت مجھ سے
عارضِ حور ہے سُرخی مرے افسانے کی

صحنِ فردوس ہے گوشہ مرے میخانے کا
جلوۂ طور ہے تجلی مرے پیمانے کی

تو مگر کیوں مجھے خاموش نظر آتا ہے

اس قدر سرد ہے کیوں مے ترے پیمانے کی

دل میں ہے شمعِ تمنّا نہ چراغِ حسرت

کتنی تاریک فضا ہے ترے ویرانے کی

کیوں کرے موجِ صبا ماتمِ شمعِ کشتہ

خاک جب مائلِ پرواز ہو پروانے کی

تو بھی تو دامنِ ہستی میں، تجلّی بھر لے

آ مئے ہوش ربا پی مرے میخانے کی

مژدۂ عید ہوں میں، مطلعِ خورشید ہوں میں

جلوۂ ہستیِ جاوید ہوں "امید" ہوں میں

حسینؑ

تیرِ الم سے غنچۂ خاطر دو نیم ہے
اس مرثیہ کی سرخی الف لام میم ہے

سوہانِ روح، حادثۂ جاں خراش ہے
غنچوں کی آہ آہ سے دل پاش پاش ہے

بلبل ہی اس چمن میں نہیں صرف سوگوار
پھولوں کی خارِ غم سے گریباں ہیں تار تار

ہر شے میں جاگزیں ہی اثر اضطراب کا
سوجا ہوا سا دیدۂ غم ہے حباب کا

ساغر میں جوشِ میکدۂ غم لئے ہوئے
سورج چلا ہے محشرِ ماتم لئے ہوئے

اُف! آخری کرن بھی قریب الغروب ہے
اے چشمِ گلفروش یہ منظر بھی خوب ہے

مجبور ہے خموشیِ غم انتقام پر
خونِ شفق کے داغ ہیں دامانِ شام پر

پہلو میں دفن شورشِ یوم النشور ہے ... دل احترامِ غم سے مرا چور چور ہے

داغوں کو دل کے دامنِ صد تار تار سے ... نہلا رہا ہوں دیدۂ خونناب بار سے

اس درجہ مستِ بادۂ غم ہو رہا ہوں میں ... یہ بھی خبر نہیں کہ کسے رو رہا ہوں میں

احسانِ غم ہے دیدۂ خونناب بار پہ ... چھایا ہوا ہوں غمکدۂ روزگار پہ

جوشِ الم سے آہ نہیں صرف سر میں درد ... آنکھوں میں اشک دل میں تڑپ ہے جگر میں درد

اڑ کر کفِ شفق میں سرِ شام آگئی ... خاکِ دلِ حزیں بھی مگر کام آگئی

ہر وقت ایک بارشِ جلوہ ہے داغ سے

روشن چراغِ طور ہے میرے چراغ سے

آتش بدل ہوں میں غمِ سبطِ رسول سے ... بوئے کبابِ سوختہ آتی ہے پھول سے

اک غم ہی غم ہے گردشِ لیل و نہار میں ... صہبائے اضطراب ہے جامِ قرار میں

لطفِ بہار آئے تو کس اعتبار پہ ... گل ہنس رہے ہیں غمکدۂ روزگار پہ

یہ قلزمِ فضا یہ سفر آفتاب کا ... یا ڈگمگا رہا ہے سفینہ حباب کا

حسینؑ

تیرِ الم سے غنچۂ خاطر دو نیم ہے
اس مرثیہ کی سرخی الف لام میم ہے

سوہانِ روح، حادثۂ جاں خراش ہے
غنچوں کی آہ آہ سے دل پاش پاش ہے

بلبل ہی اس چمن میں نہیں صرف سوگوار
پھولوں کی خارِ غم سے گریباں ہیں تار تار

ہر شے میں جاگزیں ہے اثر اضطراب کا
سوجا ہوا سا دیدۂ غم ہے حباب کا

ساغر میں جوشِ میکدۂ غم لئے ہوئے
سورج چلا ہے محشرِ ماتم لئے ہوئے

اُف! آخری کرن بھی قریب الغروب ہے
اے چشمِ گلفروش یہ منظر بھی خوب ہے

مجبور ہے خموشیِ غم انتقام پر
خونِ شفق کے داغ ہیں دامانِ شام پر

پہلو میں دفن شورشِ یوم النشور ہے | دل احترامِ غم سے مرا چور چور ہے
داغوں کو دل کے داہنِ صد تار تار سے | نہلا رہا ہوں دیدۂ خونناب بار سے
اس درجہ مستِ بادۂ غم ہو رہا ہوں میں | یہ بھی خبر نہیں کہ کسے رو رہا ہوں میں
احسانِ غم ہے دیدۂ خونناب بار پر | چھایا ہوا ہوں غمکدۂ روزگار پر
جوشِ الم سے آہ نہیں صرف سر میں درد | آنکھوں میں اشک دل میں تڑپ ہے جگر میں درد
اڑ کر کفِ شفق میں سرِ شام آگئی | خاکِ دلِ حزیں تھی مگر کام آگئی

ہر وقت ایک بارشِ جلوہ ہے داغ سے
روشن چراغِ طور ہے میرے چراغ سے

آتش بدل ہوں میں غمِ سبطِ رسول سے | بوئے کبابِ سوختہ آتی ہے پھول سے
اک غم ہی غم ہے گردشِ لیل و نہار میں | صہبائے اضطراب ہے جامِ قرار میں
لطفِ بہار آئے تو کس اعتبار پر | گل ہنس رہے ہیں غمکدۂ روزگار پر
یہ قلزمِ فضا یہ سفر آفتاب کا | یا ڈگمگا رہا ہے سفینہ حباب کا

اے فاطمہؑ کے لال، جگر گوشۂ رسولؐ
تیرے لئے ہے خاطرِ کون و مکاں ملول

رشکِ بہارِ خلد، دلِ داغدار دیکھ
اک بار دیکھکر تو اسے بار بار دیکھ

اے کاش تو دوائے غمِ بیحساب دے
آ! اور میری آہ کا ہنسکر جواب دے

بسنت

دیکھا جو اُن پہ رنگ تو میں نے بھی کہدیا
اس وقت تو عجیب بہارِ بسنت ہے

چھایا ہوا ہے دیدۂ عالم پہ وہ سرور
فکرِ مآلِ عیش نہیں دلِ نچنت ہے

سرسوں کے پھول اُن پہ وہ مستی چڑھی ہوئی
مستی عجیب مستی کہ تھا ہے نہ انت ہے

حائل نہیں رہا کوئی نازو نیاز میں
پردہ اُٹھا ہوا ہے کہ جوبن کا تنت ہے

سُن کر وہ میری بات ذرا مُسکرا دیئے
مطلب یہ تھا ہمارا تبسم بسنت ہے

مہرِ نیمروز

نظر ہر ظاہر و باطن سے محرم ہوتی جاتی ہے
ہر اک شے جو موخر تھی مقدم ہوتی جاتی ہے
وہ ہچکی جو کلی کے سینۂ خاموش میں گم تھی
لبِ ہر برگِ گل پر اسمِ اعظم ہوتی جاتی ہے
تجلّی پردہ ہائے رنگ و بو میں منتشر ہو کر
عجب شانِ تجمّل سے منظّم ہوتی جاتی ہے
نظارے رفتہ رفتہ بے تکلّف ہوتے جاتے ہیں
نظر آہستہ آہستہ فراہم ہوتی جاتی ہے
تبسّم کھیلتا پھرتا ہے ہونٹوں پر مشیّت کے
مشیّت خندۂ معصوم میں ضم ہوتی جاتی ہے

سرِ لوح و قلم فرطِ ادب سے جھکتا جاتا ہے
بلندی میں ہر اک شے عرشِ اعظم ہوتی جاتی ہے
زمانہ اس طرف شرحِ تبسّم کرتا جاتا ہے
خدائی اس طرف حسنِ مجسّم ہوتی جاتی ہے
مزاجِ شاہدِ تقدیر رنگیں ہوتا جاتا ہے
بنائے ہستیٔ موہوم محکم ہوتی جاتی ہے
نگاہِ برق زا تڑپی، پیامِ جاں فروز آیا
شباب آیا جلو میں لے کے مہرِ نیمروز آیا

آویزشِ معصوم

آئنہ دارِ تبسم ہے فضائے مرمریں
غالباً یہ عکسِ گل ہی صبح کا تارا نہیں

دیکھ کر رنگِ چمن تاروں کا سر چکرا گیا
چاٹ کر نورِ سحر کلیوں کی باچھیں کھل گئیں

منفعل سا چہرۂ شب، مضمحل سی چاندنی
یہ چراغ صبح ہے یا عارضِ ماہِ مبیں

گھل رہا ہے خندۂ گل میں جمالِ نوعروس
ہنس رہی ہے جلوۂ شبنم میں روحِ انگبیں

اقتضائے حسن ہے یا جذبۂ شرم و حیا
رفتہ رفتہ نم ہوئی جاتی ہے پھولوں کی جبیں

منعکس ہے آبجو میں نرگسِ آہو نظر
مرتسم ہے برگِ گل پر شبنمِ زہرہ جبیں

کیا تعجب ہے نسیمِ صبح کی آغوش میں
صورتِ غنچہ چٹک جائے دلِ اندوہگیں

آپ اسی جذبِ نظر سمجھیں کہ حسنِ التفات
جس قدر میں دور جاتا ہوں وہ آتے ہیں قریں

دیکھئے انجام اس "آویزشِ معصوم" کا
فیصلہ ہوتا ہے حسن و عشق میں اب یا نہیں

گمشدگی

جلوۂ شمس و قمر میں　　نغمۂ شام و سحر میں
خندۂ برق و شرر میں　　رشحۂ جذب و اثر میں
چشمۂ کوہ و کمر میں　　نشّۂ قلب و نظر میں

جب نظر طوفاں بکف
دلِ بے نیازِ ناخدا

________ اور غرق ہو جاتا ہوں میں

عارضِ شمس و قمر پہ　　کاکلِ شام و سحر پہ
دامنِ برق و شرر پہ　　خاطرِ جذب و اثر پہ
سینۂ کوہ و کمر پہ　　بربطِ قلب و نظر پہ

ایک انگڑائی سی لیکر
گیت گاتا ہے کوئی

________ اے فیض کھو جاتا ہوں میں

شاعر

شاعرِ رنگیں نوا سازِ نوائے راز ہے
اس کی ہر آواز گویا غیب کی آواز ہے

بے حجابِ آئینِ قدرت ہے مشیت بے نقاب
یہ وہ آئینہ ہے جس میں منکشف ہر راز ہے

شاعرِ فطرت، شناسائے رموزِ بیخودی
آشنائے راز ہو کر، خود طلسمِ راز ہے

پایۂ عرشِ بریں ہو یا سرِ لوح و قلم
ہر بلندی اس کے آگے فرش پا انداز ہے

یہ خیالِ نکتہ رس، یہ طائرِ فکرِ رسا
عرصۂ کون و مکاں ممنونِ یکِ پرواز ہے

اس کی معراجِ تخیل کو پہنچ سکتا ہے کون
یہ وہ منزل ہے جہاں جبریل پر انداز ہے

خالقِ حسنِ تخیل، قادرِ ذوقِ نظر
رونقِ بزمِ سخن، شمعِ حریمِ ناز ہے

نغمۂ رنگیں، پیامِ انقلابِ مستقل
نالۂ دلگیر آوازِ شکستِ ساز ہے

قعرِ دریا کوکبِ گوہر سے جیسے مستنیر
پستیٔ کونین اس جوہر سے سرافراز ہے

گنگنا اٹھتا ہے ہر ذرہ جہانِ فکر کا
اس کی خاموشی بھی گویا زمزمہ پرداز ہے

یہ کبھی جوشِ تبسم سے گریبانِ سحر — فرطِ حیرت سے کبھی آئینہ دارِ راز ہے

ہر مجاز اس کا یہ باطن ہی حقیقت آشنا — ہر نیاز اس کا حقیقت میں جوابِ ناز ہے

مسکرا کر جب نگاہِ شوق نے انگڑائی لی — پھر سوا و ماسوا ہر شے نظر انداز ہے

سرفروشی پر جو تل جائے تو تیغِ بے نیام — دلربائی پر اتر آئے بتِ طنّاز ہے

ذہنِ شاعر جس مقامِ ہو پہ وارد ہے وہاں — راز بے پردہ ہے عریاں پردہ دارِ راز ہے

نغمۂ شاعر تھا گویا نغمۂ صبحِ ازل — آج تک ہر ذرۂ دل گوش بر آواز ہے

شاعرِ معصوم کی شانِ عبودیت نہ پوچھ — اس کی ہر پالغز سرافراز ہے ممتاز ہے

جس بلندی سے نزولِ شعر ہوتا ہی وہاں — طائرِ روح الامیں کو شکوۂ پرواز ہے

کر چکا ہے حسن کو سو مرتبہ یہ بے نقاب — کیا کہا رازِ نہفتہ راز تھا اور راز ہے

آشنائے ہر حقیقت، زیست کا پیغام ہے
شاعرِ رنگیں نوا مُلہَم ہے شعر الہام ہے

زبانِ اُردو

(دشمنانِ اُردو سے خطاب)

جو معمارِ مکاں ہو وجہِ تخریبِ مکاں کیوں ہو
جو عیسائے زماں ہو وجہِ مرگِ ناگہاں کیوں ہو

جو میرِ کارواں ہو وہ عدوئے کارواں کیوں ہو
یہ کیا کہتے ہو اُردو رائجِ ہندوستاں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

خفا کیوں، سرگراں کیوں، بدزباں کیوں، بدگماں کیوں ہو
ستم پرور، جفا جو، حیلہ گر، نامہرباں کیوں ہو

دمِ جاں بخش تھی کل آج تیغِ بے اماں کیوں ہو
خود اپنے ہی بیاں پر آخر آشفتہ بیاں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

گلستاں پر نسیمِ صبح سی رعنائیاں برسیں — زمانہ پر نگاہِ برق سے بینائیاں برسیں
دلِ سرشار سے آفاق پر انگڑائیاں برسیں — مگر تم کشتۂ اندیشۂ سود و زیاں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

بہارِ جاوداں بھی زینتِ صحنِ چمن بھی تم — چراغِ انجمن بھی ساقیِ ہر انجمن بھی تم
بقولِ خود علمبردارِ تحریکِ وطن بھی تم — یہ سچ ہے تو حریفِ لشکرِ ہندوستاں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

ربابِ شوق پر کل تک رہے ہے نغمہ سرا ہم تم — پئے روئے سخن آئینۂ فکرِ رسا ہم تم
نشاطِ صبح ہو یا شامِ غم تھے ہمنوا ہم تم — گلستانِ ادب پھر آج تاراجِ خزاں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

جہانِ رنگ و بو میں شاہدانِ سربکف بھی ہیں — جہادِ زندگی میں عاشقانِ سربکف بھی ہیں
بساطِ انجمن پر سینکڑوں ساغر بکف بھی ہیں — تو پھر وجہِ نزولِ برق اپنا آشیاں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

تعصب گُل چراغِ حسنِ عالمگیر کرتا ہے
نگاہِ شوق کو پابستۂ زنجیر کرتا ہے

جبینِ ماہ پر ظلمتکدے تعمیر کرتا ہے
جو یہ سچ ہے تو پھر تم کشتۂ خوابِ گراں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

ابھی پیدا بہت سحر البیاں معجز رقم ہونگے
ابھی پیدا بہت اہلِ زباں اہلِ قلم ہونگے

بلند آہنگ ہونگے طائرِ بامِ حرم ہونگے
تو پھر بزمِ سخن برہم نصیبِ دشمناں کیوں ہو

تمہاری ہی زباں ہے دشمنِ اُردو زباں کیوں ہو

قطعہ

بعض فرزندِ وطن سے نہ ہو جائیں خفا اہلِ وطن
بات جو سچی نہ تھی کہہ دی برادرانِ سخن
سربستہ تھا غنچہ سربستہ بالفرض محال
معنیِ بلند بھی بازار میں کیا ارزاں ہیں

ذرہ ذرہ گلستاں کا آئینہ دارِ بہار
فرطِ حیرت سے دہانِ گل میں ہے انگشتِ خار

ہر طرف شمشادِ مصروفِ تبسم صف بصف
سو بسو سروِ سہی قامت قطار اندر قطار

ٹہنیوں پر لغزشیں صدقے نچھاور مستیاں
پتیوں پر جنتیں قربان فردوسیں نثار

ذرہ ذرہ کشورِ تنویر کا ماہِ مبیں
غنچہ غنچہ عالمِ کشمیر کا پروردگار

ٹہنی ٹہنی بارِ گل سے رشکِ محرابِ ہلال
جس طرح جھک جائے محفل میں نگاہِ شرمسار

سبزۂ خوابیدہ میں بیداریوں کا اضطراب
سینۂ دوشیزۂ فطرت پہ غنچوں کا ابھار

کوثر و تسنیم کے ہونٹوں پہ پھولوں کی ہنسی
انجم و خورشید کے چہروں پہ کلیوں کا نکھار

بن رہا ہے غازۂ حسنِ ازل رنگِ چمن
چھن رہی ہے دامنِ نکہت میں شبنم کی پھوار

بلبلوں کی سانس میں خاصیتیں اکسیر کی
معدنِ زر بن گیا ہے سینۂ گل کا غبار

مستیوں میں غرق مستانے ہوئے رشک کا رقص   بیخودی میں شوق کی ڈوبی ہوئی صوتِ ہزار

گوہرِ شبنم اُنہیں کہیئے نہ ہیروں کی کنی   گر پڑا ہی کہکشاں کا ٹوٹ کر گلشن میں ہار

دامنِ آبِ رواں پر یوں رواں موجِ نسیم   جس طرح آئے تصوّر میں کوئی مستانہ وار

گو بصد غیظ و غضب طوفانِ رنگ و بو اُٹھا   کشتیاں تو لگ ہی جائنگی گریبانوں کی پار

سبزۂ مستانہ موجِ مے جمالِ ماہتاب

لے رہا ہے کروٹیں ہر سمت حوروں کا شباب

دھیمے دھیمے چھیڑ دیں آ کر ربابِ آبشار   برق پر برسے سکوں سیماب پر چھائے قرار

گنگنا اور صبح کے آغوش میں یوں گنگنا   جھوم کر کوئل الاپے جیسے ساون میں ملہار

گدگدائے یوں ترانوں سے فضائے مرمریں   کھل کھلا اُٹھے ربابِ زندگی کا تار تار

با تسلسل اس طرح معصوم نغموں کا نزول   وحی اُترے جس طرح دوشِ مشیّت پر سوار

عارفانِ علمِ موسیقی کے دل پر ایک تیر   تیر بھی نہ تیر جس سے طائرِ سدرہ شکار

بجلیاں کوندیں ارے وہ جھوم کر بادل اُٹھا   دے ثبوتِ زندگی اُٹھ زاہدِ شب زندہ دار

جبّہ و دستار کیسے، یہ وظائف تا بکے
اور وظائف وہ کہ جن کا انگلیوں پر ہو شمار

برگِ گل، نورِ شفق، قوسِ قزح، رنگِ شہاب
سب کا خالق ہے مری صہبائے گلگوں کا مُخار

وقتِ مینوشی ہے اُٹھ، پیمانے کو گردش میں لا
ایسی گردش جس پہ صدقے گردشِ لیل و نہار

صرفِ مستی ہو حجابِ حُرمت و حلّت اُٹھا
مُفت کی ملتی نہیں ظالم تو پی لے کر اُدھار

مستیوں میں جذب کر وہ شام کی رنگینیاں
نذر دے جس کو شفق سُورج کا جامِ زرنگار

صبح کے ساغر میں جوشِ آتشِ سیال ہے
گھول کر تو پی بھی جا ایسے میں تاروں کے شرار

توڑ بھی دے ایک انگڑائی میں قیدِ کفر و دیں
یہ وہ ترشی ہے کہ جم سکتا نہیں رنگِ خمار

گر میسّر لطفِ آزادی بہ آزادی نہیں
نغمۂ شادی بقیناً نغمۂ شادی نہیں

حسنِ طلب

واعظِ ناداں کو اک دن پاکر آمادہ بجنگ
یہ کہا میں نے کہ اے سرگشتۂ ذکر و طواف

تجھ کو تخریبِ حریمِ دل بہ ہر پہلو روا
تجھ پہ خونِ حسرت وارماں بہ ہر صورت معاف

اک کرشمہ ہے مگر تیری نگاہِ زر طلب
پردۂ بتخانہ بن جاتا ہے کعبہ کا غلاف

مجلسِ احباب میں یہ نعرۂ اللہ ہو
پردۂ گوشِ فلک جس سے شگاف اندر شگاف

پرتوِ حسنِ مشیت، سایۂ ریشِ دراز
ظلمتِ داغِ جبیں قندیلِ کنجِ اعتکاف

گوشۂ چشمِ صداقت پرورش گاہِ ریا!
بر ربطِ نطق آفریں، سازندۂ لاف و گزاف
جلوۂ مے سے نگاہیں گو بہ ظاہر منحرف
ساغرِ دل میں مگر جوشِ شرابِ اعتراف
لب کی ہر جنبش پہ حال و قال آمادہ بہ رقص
دل کے ہر ذرہ پہ لیکن ثبت مہرِ انحراف
گفتگوئے مدح خواں میں حافظ و سعدی کی روح
قیل و قالِ نکتہ چیں پر اعتراضِ شین و قاف
روح محرومِ نظارہ دل اسیرِ گرد و پیش
جنبشِ ابرو مگر پیغمبرِ صد انکشاف
کس قدر یہ منظرِ دیر و حرم ہوتا سیاہ
تو اگر روشن نہ کر دیتا چراغِ اختلاف
ہر گھڑی ذکرِ مے و ساغر بعنوانِ عذاب
کیا اسے حسنِ طلب سمجھوں ہیں؟ گستاخی معاف

تندرستی و صفائی

(بچوں کے لئے)

کہا تندرستی نے اک روز ہنس کر — طبیعت تو اچھی ہے کیوں بی صفائی

سناؤں کچھ اپنی سنوں آپ کی کچھ — یہ مدت کی اِک آرزو تھی بر آئی

سہیلی سمجھ کر میں یہ کہہ رہی ہوں — نہیں اس سے مقصد جتانی بڑائی

مگر روٹھ جانا نہ یہ بات سن کر — کہ سچ بات ہوتی ہے آدھی لڑائی

نہ میں نے کہا ہے نہ میں یہ کہونگی — کہ تو وہ ہے جس میں نہیں کچھ اچھائی

تری چال اچھی تری بات میٹھی — ترا دم غنیمت ترا دل بھلائی

مگر پھر بھی میں میں ہی ہوں تو تو ہی ہے — میں بجلی تو جگنو میں پربت تو رائی

اگر میں نہ ہوتی یہ دنیا نہ ہوتی — اک اُجڑا نگر تھا یہ ساری خدائی

امنگیں جوانی میں میرے قدم سے — بڑھاپے نے عزت مرے دم سے پائی

مرے دم سے دن رات ہولی دوالی — مرے سانس سے ہر کلی کِھل کھلائی

اگر میں نہیں ہوں تو پھر سکھ بھی دُکھ ہے | اگر ہوں تو دُکھ دودھ ہے اور ملائی
یہ کس بل پہ طاقت یہ ہمت یہ جرأت | مرے نام کی بولتے ہیں دہائی
بدل کر کبھی بھیم کا بھیس اُٹھی | کبھی دھار کر روپ ارجن کا آئی

میں سب کچھ ہوں لیکن بتا تو بھی کچھ ہے
یہ مانا کہ تو پھول ہے بُو بھی کچھ ہے

جو کی تندرستی نے بڑھ چڑھ کے باتیں | صفائی اُٹھی اُٹھ کے کچھ مسکرائی
کہا میری پیاری بہن اچھی ساتھن | سنی تھی نہ جو بات تو نے سنائی
بھلائی کے گیت اور گُن تو نے گا کر | بھگاری ہے اپنی بہت کچھ بڑائی
نہ اترا بڑائی پر اتنی نہ اترا | کہ نیچا سدا دیکھتی ہے بڑائی
میں سمجھی تھی سُدھ بُدھ بھی کچھ تجھ میں ہوگی | مگر آج دیکھا تو بالکل صفائی
پرے ہٹ مرے جوڑ کی تو نہیں ہے | میں ہیرا تو کنکر میں سونا تو چھائی
میں وہ ہوں کہ رائی کو پربت بنا دوں | جو چاہوں تو پربت بھی بن جائے رائی

مریضوں کے حق میں میں امرت سی بڑھکر نہیں مجھ سے بڑھکر جہاں میں دوائی

اندھیرے گھروں میں مرا چاندنا ہے مری سانس سی مُردوں میں جان آئی

غریبوں کی ہے آبرو میرے دم سے امیروں کی میرے قدم سے بڑائی

مرے دم سے آباد دونوں گھرانے امیروں کی لچھمی غریبوں کی مائی

اگر میں نہ ہوتی تو تو بھی نہ ہوتی کہ ہے تندرستی کی ضامن صفائی

مرے دم قدم سے ترا دم قدم ہے بھلائی سے میری ہے تیری بھلائی

مزا چکھ چکی تو مرے چھیڑنے کا مرے منہ چڑھی کیوں جو یوں منہ کی کھائی

اکھاڑوں میں پریوں کے مجھسے اُجالا

مری جاں انوکھی مرا دم نرالا

کہیں فیض بھی سُن رہا تھا یہ باتیں نہ چُپ رہ سکا گو بہت کی سمائی

کہا دونوں لٹھیوں سر آنکھوں پہ میرے کہ میرے لئے تم ہو دونوں بھلائی

کہوں گا وہی جو ہے انصاف لگتی کہ مجھ کو برابر ہے اپنی پرائی

جو سچ پوچھتی ہو تو میری سمجھ میں
نہ یہ بات آئی نہ وہ بات آئی

نہ یہ بات اچھی نہ وہ بات اچھی
نہ یہ بات بھائی نہ وہ بات بھائی

یہ آنکھوں کا تارا وہ دل کا اجالا
نہ اِس میں برائی نہ اُس میں برائی

بُرائی جو کی تم نے اک دوسرے کی
مٹھائی میں گویا ملا دی کھٹائی

صفائی سے بڑھ کر کوئی شے نہیں ہے
ہے دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر صفائی

مگر تندرستی بھی کچھ کم نہیں ہے
کہ دنیا کو جنّت اسی نے بنائی

صفائی نہیں جن میں وہ بیحیا ہیں
کہ جینا بغیر اس کے ہے بے حیائی

نہ ہو تندرستی تو پھر موت اچھّی
کہ بیمار کی قبر ہے چارپائی

ہر اک چیز دنیا کی چُپ ہو گئی ہے
بڑا وقت گذرا بہت رات آئی

گلے آؤ مل لو تم اک دوسرے سے
کہ تم دونوں ہو ایک ہی ماں کی جائی

یہ سُن کر ملیں مِل کے اک ہو گئیں وہ
محبت بھری نیند میں سو گئیں وہ

دوشیزۂ سحر

اُٹھ رہی ہے بسترِ سیمیں سے کس غمزے کیساتھ
صبح کی دوشیزگی لیتی ہوئی انگڑائیاں

ہلکی ہلکی بدلیوں کا دُورِ مشرق میں ہجوم
جم رہی ہوں جیسے جوئے شیر پر بالائیاں

کر رہا ہے کون رخساروں کو اپنے بے نقاب
بھر رہا ہے کون برقِ حسن میں رعنائیاں

کوکبِ مرحوم کی ہے نعش کفنائی ہوئی
فاتحہ خواں جس پہ ہیں استعجاب کی گہرائیاں

گدگداتی پھر رہی ہیں پہلوئے افلاک کو
جھٹ پٹے میں طائروں کی زمزمہ پیرائیاں

قہقہہ زن پھول ہیں کلیاں تبسم ریز ہیں
نزہتِ خلدِ بریں ہے یا چمن آرائیاں

ہر حجر ساغر بکف ہے ہر شجر مینا بدوش
بادہ پیمائی سے افضل بادیہ پیمائیاں

اِس طرف چولی شبِ مہتاب کی مسکی ہوئی
اُس طرف مخمورِ چرخِ پیر کی برنائیاں

اس طرف موجِ نسیمِ صبح نے سسکی بھری
اُسطرف کلیوں نے لی چٹکی بجیں شہنائیاں

اِس طرف لیلائے مغرب وہ حیرت سی محیط
اُس طرف سلمائے مشرق کی وہ خود آرائیاں

آج اُلٹے جا رہے ہیں کیسے اوراقِ طلا
آج کس تصنیف پر ہیں حاشیہ آرائیاں

شاعرِ فطرت نے موزوں مطلعِ رنگیں کیا
جس سے طشت از بام ہیں تخئیل کی گہرائیاں

کیوں خمِ مشرق میں جوشِ آتشِ سیّال ہے
کیا کسی میکش کی ہونگی حوصلہ افزائیاں

پھر جبینِ حسن پر افشاں چھائی جائیگی
پھر بکھیری جائینگی سمٹی ہوئی رعنائیاں

کاکلِ سنبل میں خوشبوئیں بسائی جائینگی
دیدۂ نرگس کو بخشی جائینگی بینائیاں

پاکدامانی گلوں کو، اوس کو تردامنی
سرو کو آزادیاں شمشاد کو انگڑائیاں

آستانِ شاہدِ قدرت سجایا جائیگا
مہر کو دی جائینگی پھر ناصیہ فرسائیاں

پھر حریمِ ناز کے پردے اٹھائے جائینگے
دیدۂ بیدار پر جلوے لٹائے جائینگے

———

بعد المشرقین

ایک لیڈی نے کہا ہنس کر کسی خاتون سے
دل ہا تمہاری زندگی ہے بدتر از گرد و غبار

زندگی وہ کیا جو ہو محرومِ لطفِ زندگی
سانس لینے کو تو یوں لیتا ہی ہے ہر جاندار

دل ہے پہلو میں مگر دل میں نہیں زندہ دلی
اس پہ طرفہ یہ کہ نوکِ خارِ غم سے ہے فگار

رہتی ہو دنیا میں اور دنیا سے کوسوں دور ہو
کس قدر ناواقفِ لہو و لعب سیر و شکار

سبزہ پامال ہو اس گلستانِ دہر میں
شبنم افشاں جس پہ ہے صبح و مسا چشمِ ہزار

ہو نہیں سکتا کبھی سرسبز وہ تخمِ امید
پس کے رہ جائے جو زیرِ گردشِ لیل و نہار

ایک ہم ہیں جس پہ قرباں ہے بہارِ زندگی
ہر نفس بزمِ جہاں میں ہے ہمارا عشرت شعار

نغمہ ہائے روح پرور سے سماعت بہرہ ور
منظرِ فردوس منظر سے نظر سرمایہ دار

صنفِ نازک سے ہیں گو دونوں مگر پھر فرق ہے
کس قدر مجبور تم ہو کس قدر با اختیار

مردِ میداں ہوں عمل میں مرد کے ہمدوش ہوں
بلکہ حاصل ہے مجھے اس سے بھی بڑھ کر اقتدار

گردشِ چشمِ فسوں پرور ہے گردشِ چرخ کی — ابروئے خمدار میں پنہاں ہے شانِ ذوالفقار

میں وہ بجلی ہوں فروزاں جس سے ہے بامِ فلک — تو وہ جگنو ہے چمکتا ہے جو زیرِ کوہسار

مجھ سے وابستہ ہے لطفِ رنگ و بوئے حسن و عشق — وہ گلِ تر ہوں میں قائم جس سے ہے رنگِ بہار

تیری صورت سے عیاں آزردگی، افسردگی — تو وہ پتی ہے جو ہے فصلِ خزاں کی یادگار

سینکڑوں صورت سے ذمہ داریوں میں منہمک — شوہرِ بیدادگر کے نازِ بیجا کا شکار

سر پہ برقعہ کس لئے، قیدِ مکاں کس واسطے — کون سے وہ عیب ہیں جنکی کہ تم ہو پردہ دار

آہ تم کیوں رونقِ معمورۂ ہستی نہیں — رہ رہی ہو اس طرح گویا کہ ہو زندہ مزار

ایک جانِ ناتواں اور اس پہ یہ ظلم و ستم
مجھکو ایسی زندگی کے نام سے آتی ہے عار

جب سنا خاتون نے یہ تو متانت سے کہا — گر اجازت ہو تو کچھ میں بھی کہوں بالاختصار

کیا کہا؟ ہے خاک میری زندگی، مانا، مگر — خاک وہ روشن ہے جس میں زندگانی کا شرار

تو نے سمجھی ہی نہیں تعریفِ لطفِ زندگی — عشرتِ امروز پر رکھا ہے اس کا انحصار

اک سکونِ قلب کیا ہے؟ حاصلِ صد زندگی ۔۔۔ زندگی کی موت کیا ہے؟ اضطراب و انتشار

دل ہی سینے میں مگر دل میں نہیں تیرے سکون ۔۔۔ اور میں اس نعمتِ عظمیٰ سے ہی ہوں سرمایہ دار

سبزۂ پامال ہوں، بیگانہ ہوں، خوابیدہ ہوں ۔۔۔ کچھ سہی ہم سے مرے گھر تو مرا ہے سبزہ زار

تو گلِ رنگیں ہے، خنداں ہے، شگفتہ ہے، مگر ۔۔۔ کیا یہی باتیں ہوا کرتی ہیں وجہِ افتخار

کس قدر ہے آہ تو ناواقفِ حُبِّ وطن ۔۔۔ رونقِ بازار گاہے زینتِ لوحِ مزار

غیر سے بیگانہ میں ہرجائی پن تیری سرشت ۔۔۔ ہر کس و ناکس کی میں بنتی نہیں گردن کا ہار

برق ہی مانا مگر اس کی حقیقت پوچھئے ۔۔۔ چرخ پر آوارہ ہے یہ اک شعاعِ بے قرار

کیا کہا؟ جگنو ہوں میں، اچھا میں جگنو ہی سہی ۔۔۔ جو چمکتا ہے مثالِ کوکبِ شب زندہ دار

فرق کتنا ہے کہ میں ہوں بے ضرر تو پر خطر ۔۔۔ میں سراپا نور ہوں اور تجھ میں پوشیدہ ہے نار

عیب پوشی اور برقعہ یہ عجب تقریر ہے ۔۔۔ بے خبر دنیا کی ہر محبوب شے ہے پردہ دار

بوئے گل ہے برگِ گل میں جس طرح پردہ نشین ۔۔۔ اور پوشیدہ صدف میں جیسے دُرِّ شاہوار

سو بسو نیرنگیوں میں خود خدا مستور ہے ۔۔۔ تم تو کہہ دو گی معاذ اللہ اس کو عیب دار

روح بھی تو قید رہتی ہے مکانِ جسم میں — اس کو تو آزاد کردو کیسی ہو عشرت شعار

خیر تم تو کیا پہنچ سکتی نہیں شانِ مرد کو — مرد تم میں آ ملے ہیں اپنا خود کھو کر وقار

ازدواجی زندگی کی کیا یہی ہوتی ہے شان — تیری ہستی تیرے شوہر کو ہو وجہِ انتشار

غیر کے ہمراہ تو گلگشت میں مشغول ہو — اور تیرا شوہرِ بدبخت وقفِ انتظار

گر مرا شوہر جفا جو ہے یہ اس کا فعل ہے — یہ مرا اخلاق ہے رہتی ہوں پھر بھی غمگسار

منزلِ مقصود تیری اور میری اور ہے — دین پر تکیہ مرا اور تیرا دنیا پر مدار

میں ہوں تصویرِ تحمل اور تو شعلہ مزاج — تو تکبر آشنا اور میرا مسلک انکسار

میں حقیقت آشنا ہوں تو قتیلِ رنگ و بو — اصل میں وہ ہے خزاں جسکو تو سمجھی ہے بہار

شرم ہے زیور مرا اور ہے حیا میرا لباس — اور اپنے حسنِ عریاں کا تو رنگیں اشتہار

کیا اسی کا نام لطفِ زندگی رکھا ہے فیض

توبہ توبہ ذکر سے جس کے زباں ہے شرمسار

نذرِ عقیدت

بہ بارگاہِ حضرت امیر خسروؒ

میں بارگاہِ ارادت میں باریاب ہوا
تڑپ کے ذرۂ دل رشکِ آفتاب ہوا

مشاہدات سے آئینہ دارِ طور ہوں میں
یہ وقت وہ ہے کہ مستِ مئے حضور ہوں میں

عجیب شان سے دل صرفِ سوز و ساز ہے آج
کہ راز خود سببِ انکشافِ راز ہے آج

نوائے ساز سے غمہائے بود و ہست مٹے
بلند میں ہوا اتنا بلند و پست مٹے

غبارِ راہ ہوئی، فرشِ بارگاہ ہوئی
مری نگاہ حقیقت میں اب نگاہ ہوئی

نہیں یہ اشکِ تمنا ہی صرف غم آلود
ہے ریشہ ریشہ مری زندگی کا نم آلود

جو جلوہ ریزِ تبسم وہ لالہ رو ہو جائے
تو ہنس کے چاکِ جگر شرحِ آرزو ہو جائے

یہ زعمِ تابِ نظارہ سوالِ دید نہیں
بہ رسم و راہِ زمانہ ہے، آج عید نہیں؟

تمام دیدہ و دل غرقِ مے پرستی ہیں
تصورات پہ رنگینیاں برستی ہیں

حریمِ ناز کے پردوں کو جب اُٹھاتا ہوں
جگر میں رعشہ، نظر میں لچک سی پاتا ہوں

نسیمِ صبح سے روشن چراغِ نور ہوے
یہ واقعہ ہے یہاں واقعاتِ طور ہوے

فروغِ برقِ تجلی سے جل کے طور ہوا
دل اور جوہرِ آئینۂ شعور ہوا

نظر اُٹھی تو حجابِ حریمِ ذات اُٹھے
جبینِ خاک پہ نقشِ تجلیات اُٹھے

سرشک وجہِ شکستِ اصولِ عام ہوا
یہ تار ٹوٹ کے وابستۂ نظام ہوا

زبانِ شمع سے دل سوز واردات کہوں
اگر ہو اذنِ تخاطب تو ایک بات کہوں

نگاہِ ناز سے دل تو نے پاش پاش کیئے
ضمیرِ لالۂ رنگیں کے راز فاش کیئے

سحابِ بربطِ رنگیں سے راگ برسا دے
تو میرے ہر رگ و ریشہ پہ آگ برسا دے

چراغِ داغ جلے، سینہ لالہ زار بنے
وہ اِک نگاہ کہ ذرّہ اُڑے شرار بنے

فسانے تیرے نہ سوتے ہوں سبزہ زاروں میں
ترانے تیرے مراقب ہوں ستاروں میں

اُنھیں جگا کہ خموشی ہے کوہساروں پہ
انہیں اُٹھا کہ اداسی ہے آبشاروں پر

نظر سے برق گرے شعلۂ شباب اُٹھے
تکلّفِ من و تو برطرف نقاب اُٹھے

نوید

تیز ہے موجِ نسیمِ صبح اے مرغِ چمن — گل نہ ہو جائے کہیں تیرا چراغِ انجمن

آ رہی ہے کس تکلّف سے بہارِ دلفریب — آستینِ گل میں لے کر غمزۂ ناوک فگن

چل رہا ہے بزم میں دَورِ نگاہِ فتنہ زا — ڈھل رہی ہے جامِ نرگس میں شرابِ اہرمن

غنچہ ہے زلیخائے فریبِ رنگ و بو — پاک دامانی کو اب لازم ہے چاکِ پیرہن

حیرتِ آئینہ سے جوہر ہے اندیشۂ دل — موجِ نکہت سے مکدّر ہے جبینِ نسترن

گر یہی رنگِ جہاں ہے تو بتانِ آذری
بنتے بنتے بن ہی جائینگے خداوندِ زمن

اے کہ تجھ سے آتشِ نمرود گلزارِ خلیل — اٹھ کہ پھر آتش زنِ گلشن ہیں اربابِ وطن

شاطرِ مغرب کی شہ پہ رخ اٹھا پیدل بڑھا — جیت بازیگاہِ عالم، لے بساطِ انجمن

توڑ ضربِ لا الہ سے سومناتِ کافری — دیدۂ نرگس میں پیدا کر نگاہِ بت شکن

کام لے دستِ جنوں سے اور کر دے تار تار
دامنِ تہذیبِ نو میں ہیں بتِ عہدِ کہن

خنجرِ تدبیر سے پھر چیر دے ذروں کے دل
پھونک دے پھر گرمیٔ موجِ نفس سے انجمن

پھر سکھا عقلِ جہاں دیدہ کو آدابِ جنوں
پھر اڑا اوجِ مہ و پرویں پہ چاکِ پیرہن

کچھ نہیں سنتا تو آوازِ شکستِ دل تو سن
یا اذانِ غنچہ ہے غافل اذانِ صد چمن

تو اگر جانے ترا نالہ ہے جانِ کائنات
تو اگر سمجھے ترا آنسو ہے شمعِ انجمن

اب بھی تیرے ذکر سے لرزتے ہیں لوح و قلم
اب بھی تیری فکر سے روشن ہے قندیلِ سخن

بندۂ خوابیدہ اُٹھ وقتِ گراں خوابی گیا
وہ جبینِ صبح سے اُمید کی پھوٹی کرن

وہ صدائے قم باذنی سے فضائیں گونج اُٹھیں
مشرقِ مرحوم کے چہرے سے وہ سرکا کفن

اب نسیمِ صبح سے کھلنے کو ہیں غنچوں کے لب
اب بپا ہونے کو ہے ہنگامۂ شعر و سخن

انجمن ہے ساقیٔ مہ وش ہے دورِ جام ہے
اے دلِ مایوس اب تو اُٹھ صلائے عام ہے

نگارِ مغرب

میں نے اس مس سے کہا اک دن کہ اے جانِ جہاں — چہرۂ زیبا ترا رشکِ مہِ انور بھی ہے

ابروئے خمدار وہ اور یہ نگاہِ تیز تیز — جان لینے کیلئے پیکاں بھی ہے خنجر بھی ہے

صاعقہ بر دوش ہیں تیری تبسم ریزیاں — نرگسِ شہلا مثالِ آئنہ ششدر بھی ہے

جلوہ ہائے طور آسودہ تصور سے ترے — کعبۂ دل میں نہاں بتخانۂ آذر بھی ہے

عشوہ و ناز و ادا، جاں آفرین جاں ستاں — فتنۂ رفتار میں ہنگامۂ محشر بھی ہے

کاش مجھ پر بھی کبھی ہو اک نگاہِ التفات — واقفِ رسمِ وفا اپنا دلِ مضطر بھی ہے

ذوقِ آرائش اگر تجھ کو ہو اے سیمیں بدن — زیبِ زینت کیلئے ہر طرح کا زیور بھی ہے

دیدۂ اختر جھپک جائے جو دیکھے آرسی — اور ثریا جس پہ ہو قربان وہ جھومر بھی ہے

سینکڑوں دل جس میں گوندھے ہیں وہ ہے چمپاکلی — بجلیاں جس کیلئے بیتاب وہ جھالر بھی ہے

تیری پوشش کیلئے دیبا و کمخواب و کتاں — دامنِ آبِ رواں ہو چاک وہ چادر بھی ہے

تیرے رہنے کیلئے اے انجمن آرائے دل | جسمیں ہو آباد فردوس بریں وہ گھر بھی ہے

گر مذاقِ سیر ہو وہ پالکی حاضر کروں | جس کی صرصر کیلئے ہمیز زن ٹھوکر بھی ہے

اشتہا ہو تو وہ حاضر ہے طعامِ خوش گوار | جس کی لذت من و سلویٰ سی کہیں بڑھکر بھی ہے

اور رفعِ تشنگی کو دیکھ وُہ برفاب ہے | جسکے آگے پانی پانی چشمۂ کوثر بھی ہے

آہ اب کاٹے نہیں کٹتی شبِ فرقت مری | نالۂ شبگیر بھی ہے اور چشمِ تر بھی ہے

لیجیے گا امتحاں لذّت کشِ بیداد کا

سوچ کیا ہے سر بھی ہے گردن بھی ہے خنجر بھی ہے

سُن کے یہ اِس فتنۂ محشر نے جھنجلا کر کہا | چُپ! ابلڈی فول! تیری عقل میں چکر بھی ہے

میری آزادی کو بس فرقِ گلو بندی نہیں | طبعِ نازک پہ گراں میری ہر اک زیور بھی ہے

کوئی بنگلہ ہو، کوئی کوٹھی ہو، کوئی ہو کلب | کہدیا کیا خوب! رہنے کیلئے ہاں گھر بھی ہے

چادروں کو اپنی ہندی بقچیوں میں بند رکھ | سوٹ کیسوں میں تری سایہ بھی ہے کالر بھی ہے

تیری لیلیٰ سیہ رو کو مبارک پالکی | برق جس کی گردِ پیمانہ ہو وہ موٹر بھی ہے

ہو نہیں سکتی کبھی تسکیں ترے برفاب سے
لیمنیڈ ہی سوڈا ہی ہر طرح کا واٹر بھی ہے

جس کے ہر قطرہ میں اک بستی ہے دنیائے شباب
بوتلوں میں وہ شراب آتشیں پیکر بھی ہے

کیک میں بسکٹ میں مکھن میں ہے لطفِ زندگی
جس کا ہر لقمہ حیات افروز جاں پرور بھی ہے

ہم نے یہ مانا مہیا سب ہیں سامانِ طرب
مے بھی ہے مینا بھی ہے، ساقی بھی ہے ساغر بھی ہے

اور تو بھی چشمۂ تہذیبِ نو سے بہرہ ور
نام نامی پر ترے چسپاں دمِ مسٹر بھی ہے

تو نے لوٹے ہیں بہت کالج کی لائف کے مزے
منطقی ہے فلسفہ داں ہے، پروفیسر بھی ہے

جذبۂ حبِ وطن سے دل ترا لبریز ہے
رہنمائے ملک بھی ہے قوم کا لیڈر بھی ہے

تیرے نغموں میں نہاں ہے سوز و سازِ زندگی
چار لی چیلپن ہو جس سے مات وہ ایکٹر بھی ہے

اور خدا کا شکر ہے اس عہدِ تخفیف میں
دفترِ سرکارِ اعلیٰ میں ابھی نوکر بھی ہے

یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے لیکن ذرا یہ تو بتا
جس پہ مشقِ بوٹ بازی ہو سکے وہ سر بھی ہے

فتح

فتحِ ٹیونیسیا پر ہندوستانی سپاہی سے خطاب

اے کہ تو جس سے نشانِ فتحمندی سر بلند
کہکشاں شمشیر ہے قوسِ قزح تیری کمند

عشرتِ منزل کو رشک آتا ہے غربت پر تری
رہبری سے تیری گمراہی ہے گمراہی پسند

تیری پیشانی کے قطرے آبِ گوہر میں شریک
تیری گردِ رہگذر سے ماہ و اختر بہرہ مند

جذبِ صادق سے ترے محکم ہے بنیادِ خودی
قطرۂ خوں سے ترے خاکِ وطن ہے ارجمند

تشنگی تیری برائے سوزِ مجبوری مفید
خستگی تیری پئے دردِ غلامی سود مند

کام تو نے وہ لیا اک خنجرِ ایثار سے
خوں برستا ہے جبینِ عرصۂ پیکار سے

زعمِ رستم ، شانِ دارا ، شوکتِ اسفندیار — تیرے قدموں پر تصدق تیرے بازو کے نثار

چھیڑ کر صحنِ چمن میں کامیابی کا رباب — بھر دیا تو نے رگِ ہر گل میں پھر خونِ بہار

تو نے غنچوں کو دیا جامِ شرابِ ارغواں — تو نے ذروں کو عطا کی ہمتِ گردوں شکار

بخش کر قلبِ پریشاں کو سکونِ مستقل — کھل دی تو نے خموشی سے زبانِ روزگار

آج تیرے جذبۂ تیغ آزمائی کے طفیل — ہر شعاعِ مہر و مہ ہے اک نگاہِ کامگار

دیکھئے انجامِ کار اس سرفروشی کا صلا
شکوۂ تقدیر ملتا ہے کہ قسمت کا گلا

قطعہ

چمن پہ بارشِ نورِ سحر ترے لئے
سکوں ہے مسرتِ قلب و نظر تیرے لئے

دیدہ و دل ہی فقط آئینۂ حیرت نہیں
نقش بہ دیوار ہیں شمس و قمر تیرے لئے

قطب مینار

اے کہ افسوں گریٔ صنعتِ آدم پہ گواہ
ایک مدت سے ہے انگشتِ شہادت تیری

کب سے اک پیر کھڑا ہے تو سرِ بزمِ جہاں — دوشِ نازک پہ لئے بارِ روایاتِ کہن
پھر بھی یوں پڑتی ہے تجھ پہ رنگِ حسنِ جواں — جس طرح سرو پہ سورج کی مچلتی ہے کرن

اے کہ اس جلوہ گہِ خنجر و ابرو میں ابھی
ہے گریبانِ مہِ نو میں ترا دستِ بلند

تو نے جب چاک کیا گوشۂ دامانِ فلک — نکلا انگڑائیاں لیتا ہوا ارمانِ زمیں
جس طرح اشک لرزتا ہے سرِ نوکِ پلک — یوں لرزتے ہیں ترے سر پہ ستاروں کے نگیں

اے کہ ہے سینۂ گردوں میں ترا نیزۂ سرخ
تنگ ہے تنگ ترے سر پہ کلاہِ خورشید

ثبت ہے جادۂ ہستی پہ ترا نقشِ قدم
دل کے آئینۂ روشن میں ہے تصویر تری

خطرۂ گردشِ ایّام نہ تخریب کا غم
خشتِ دل خونِ تمنّا سے ہے تعمیر تری

اے کہ تعمیرِ جہاں قصرِ زمانہ کے لئے
سنگِ بنیاد ہے ہر ذرّۂ معصوم ترا

تیری آغوش میں ہر ذرّۂ خورشید نشان
زینۂ بامِ فلک حسن کی معراج بھی ہے

تجھ سے وابستہ ہے اس قوّتِ اسلام کی شان
جو مہ و مہر پہ انگشت نما آج بھی ہے

اے کہ دیوانِ جہاں کا تو ہے وہ شعرِ عجیب
تشنۂ مصرعِ ثانی نہیں جس کا مصرع

چاک ہو جائینگے خود جبرِ مسلسل کے غلاف
تیز ہے نیزۂ فولاد سے شاعر کا قلم

مطمئن ہو نہ فلک اُس کے تشدد کی خلاف
ہے بلند آج بھی دنیا میں بغاوت کا علم

اے کہ ہے دامنِ رنگیں پہ ترے لالہ فروش

سینۂ ہند سے پھوٹا ہوا فوارۂ خوں

دیکھ آئینۂ عالم کی وہ تصویر حسیں — جس کا ہر نقش تھا فردوس نشاں خلد نظیر

آج ہے دودِ چراغِ سحری، گردِ زمیں — حلقۂ دامِ بلا، پنجۂ حسرت ہیں اسیر

اے کہ معمورۂ وحشت میں ترا خارِ جنوں

ہے کفِ پائے زمیں کو خلش آموز ابھی

یہ خموشیِ جگر سوز یہ تاریکیِ شام — اشہبِ شوق بہت سست ہے مہمیز لگا

تشنۂ خونِ عدو ہے دلِ بے نیل و مرام — تیرے قبضے میں ہیں سو خنجرِ خوں ریز لگا

آج کی رات

چُپ بھی رہ واعظِ گوشہ نشیں آج کی رات
ہے دماغ اپنا سرِ عرشِ بریں آج کی رات

یہ تبسم، یہ مئے ہوش ربا، یہ ساقی
توبھی ایسے میں ٹھہر جا نہ کہیں آج کی رات

معتکف اور سرِ چرخِ بریں آج کی رات
آمری گود میں اے ماہ جبیں آج کی رات

یہ بتا تذکرۂ وصل پہ ہنسنے والے
کیوں ہے اقرار کے پہلو میں نہیں آج کی رات

بقعۂ نور ہے پھولوں کی جبیں آج کی رات
"رَوشن آرا"[1] ہے کہ ہے خلدِ بریں آج کی رات

یوں ہی دلِ زار یونہی اس رُخِ رنگیں کے قریب
جس طرح چاند سے تارا ہی قریں آج کی رات

---

[1] روشن آرا باغ دھلی۔

جلوہ افروز ہے ہر پردہ نشیں آج کی رات
مائل رقص ہے ہر زہرہ جبیں آج کی رات

کہکشاں، خندۂ گل، جلوۂ شبنم، مہتاب
ڈھونڈھ ہی لونگا وہ چھپ جائیں کہیں آج کی رات

ہو نہ ہو ہے شبِ معراجِ مبیں آج کی رات
چٹکیاں سی کوئی لیتا ہے حسیں آج کی رات

للہ الحمد جوانی مری تاریک نہیں
میرے پیمانے میں ہے ماہِ مبیں آج کی رات

فرش ہے جلوہ گہِ عرشِ بریں آج کی رات
بوئے گل ہے نفسِ رُوحِ امیں آج کی رات

دامنِ ناز کی جنبشِ سے چٹک ہی جاتا
غنچے میں رکھ نہ دیا قلبِ حزیں آج کی رات

زاہدِ خشک مچل اور کہیں آج کی رات
دونوں عالم ہیں یہاں زیرِ نگیں آج کی رات

فکرِ فردا و غمِ دوش مبارک تجھکو
میرے آغاز کا انجام نہیں آج کی رات

پردہ در ہے مئے پیمانہ نشیں آجکی رات
بے حجاب اب ہوئے جاتے ہیں حسیں آجکی رات

ایک لغزش نے وہ مے کیف عجب کام کیا
میرے قدموں پہ ہے فطرت کی جبیں آجکی رات

⁂

خیر ہے آپ ہیں کیوں چیں بجبیں آجکی رات
توبہ توبہ چلے جانا نہ کہیں آج کی رات

پھر میسر ہو یہ سامانِ تعیّش کہ نہ ہو
آج کی رات بس اے زہرہ جبیں آج کی رات

⁂

غنچہ غنچہ ہے قیامت کا حسیں آجکی رات
ذرہ ذرہ ہے مشیّت کا امیں آج کی رات

فیض اک تیری نظر ہی ہے نظّارہ طلب
جانبِ عرش ہے پرواز زمیں آج کی رات

⁂

اذانِ غم

ایک ویران مسجد کو دیکھ کر

دیکھ کر آئینۂ شبنم میں پھولوں کی جبیں
چاک کر دی لیلیٰ شب نے قبائے سرمگیں

جھوم اٹھا نغمۂ سازِ عبودیت پہ چرخ
گونج اٹھی نعرۂ اللہ اکبر سے زمیں

ہر کہ و مہ، ہر بلند و پست مصروفِ نیاز
جھک گئی فرشِ زمیں پر آسمانوں کی جبیں

ہر جبینِ ذرہ میں روشن ہے شمعِ معرفت
ہر لبِ غنچہ پہ ہے الحمد رب العلمین

کو بکو اک جلوۂ تازہ بتازہ نو بہ نو
سو بسو اک چشمکِ برقِ مشیت آفریں

اللہ اللہ یہ فراوانیٔ حسنِ التفات
ہر نگاہِ آخری اب ہے نگاہِ اولیں

ہاں مگر وہ مسجدِ ویراں ابھی خاموش ہے
آسماں سے تھی رفیع المرتبت جسکی زمیں

جسکے گوشے گوشے میں تھا معتکف حسنِ ازل
جسکے ذرے ذرے میں تھی جذب فردوسِ بریں

سرنگوں جسکے مناروں سے تھی معراجِ خیال
دم بخود تھا جس کی ضو سے جلوۂ ماہِ مبیں

جسکی ہر شے حسن پرور جس کی ہر چیز آئینہ
جس کا ہر ذرہ مقدس جس کا ہر لمحہ حسیں

جسکی تھیں تاریکیاں بھی ضو بدل جلوہ بکف
جسکی تھیں خاموشیاں بھی نغمۂ روح الامیں

حوض عکس کوثر و تسنیم فوارے شہاب
صحن آئینہ بکف، محراب ابروئے حسیں

جس میں آویزاں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے
آج اس میں آشیانوں کے سوا کچھ بھی نہیں

سرنگوں ہے صبح بالائے منارِ غم فروش
دم بخود ہے شام زیرِ گنبدِ اندوہگیں

آہ یہ آئینۂ گنبد میں ہے لٹکا سا بال
یا مریضِ جاں بلب کی اک نگاہِ واپسیں

ہر طرف پھیلا ہوا ہے ایک دامِ عنکبوت
ہر جگہ بکھری ہوئی ہے بیٹ بالائے زمیں

اسطرف دو تین لوٹے ہیں مگر ٹوٹے ہوئے
اُس طرف دو چار بوریے ہیں مگر اندوہگیں

آہ یہ ہے اُن مسلمانوں کی غفلت کا سبب
جن پہ ہنستا ہے زمانہ جن پہ روتی ہے زمیں

جنکا دل دولت طلب ہے جنکی آنکھ ایماں فروش
جنکی دنیا مطمئن ہے جن کا دیں اندوہگیں

جن کی دنیا مطمئن ہے کیا کہا؟ بالکل غلط
مطمئن جن کا نہیں ہے دین دنیا بھی نہیں

سانس لینے دے، ٹھہر اے دیدۂ خونابہ بار
بات کرنے دے بس اے آہِ دلِ اندوہگیں

دیکھ اس کے عارضِ غمگیں کا یہ گرد و غبار
چشمِ بینا میں ہے اب بھی غازۂ رُوئے زمیں

سرمئی راتوں میں اس کے ہر در و دیوار پر
شمعِ کافوری سے روشن تر ہے جگنو کی جبیں

صبحدم اس کی فضائے ساکت و خاموش میں
شاغلِ حمدِ خدا ہے طائرِ گوشہ نشیں

جب گلستاں میں چٹک کر دیتے ہیں غنچے اذاں
اُسکے فرشِ خاک پر جھکتی ہے سبزے کی جبیں

دیں ستاروں کو جو اذنِ سجدہ، حکمِ بندگی
اُسکے داماں میں ابھی ہیں سینکڑوں ایسے نگیں

جب پپیہا وادیوں سے پوچھتا ہے پی کہاں
وہ بشکلِ خامشی اس وقت ہوتے ہیں یہیں

نرگسِ بیمار جب ہوتی ہے محتاجِ دعا
گریۂ پیہم سے جب نم ہو گلوں کی آستیں

یہ بڑھا کر اپنے دونوں ہاتھ سوئے آسماں
کھینچ لیتی ہے زمیں پہ دامنِ عرشِ بریں

خانۂ اللہ اب بھی خانۂ اللہ ہے
لاکھ ویراں ہو مگر یہ شان جا سکتی نہیں

نقوشِ ماضی

جب تارِ نظر سے چاکِ دلِ مجبور سِلے تھے یاد کرو

جب پہلے پہل ان ہونٹوں پر کچھ پھول کھلے تھے یاد کرو

کیوں قربِ گل و بلبل سے مرے جذبات بھلا مجروح نہ ہوں

اک روز یونہی تنہائی میں ہم تم بھی ملے تھے یاد کرو

للچائی ہوئی نظروں میں دلِ بیتاب کی گھاتیں یاد کرو
شرمائی ہوئی آنکھوں کی زبانِ خاص میں باتیں یاد کرو
گر عارضِ روشن کی صورت، ہنستے ہوئے دن تم بھول گئے
تو بکھری ہوئی زلفوں کیطرح بہکی ہوئی راتیں یاد کرو

کیفیتِ زنگا رنگ سے ہم آغوش زمانے یاد کرو
محویتِ گوناگوں میں سراپا جوش فسانے یاد کرو
جو گرتی ہوئی دیوار کی صورت میرے تقاضے یاد نہیں
تو اُٹھتے ہوئے طوفاں کی طرح تم اپنے بہانے یاد کرو

وہ حسنِ شفق پرور کے جہاں آشوب نظارے یاد کرو
وہ برگِ گل تر پر شبنم کے سرد شرارے یاد کرو
گر شامِ سکوں اندوز کے بالاجمال کنائے بھول گئے
تو صبحِ چمن افروز کے بالتفصیل اشارے یاد کرو

آغوشِ نظر میں جلووں کی بستی ہوئی دنیا یاد کرو
آئینۂ دل میں ہنستی ہوئی تصویرِ تمنّا یاد کرو
تم مجھ سے خدا نا کردہ بھلا اظہارِ محبت کیوں کرتے
کیا حالِ دلِ غمگیں بھی نہ پوچھا تھا بہ تقاضا یاد کرو

موجود بصد انداز تھی جب کھوئی ہوئی جنت یاد کرو
بیدار بہر عنوان تھی جب سوئی ہوئی قسمت یاد کرو
گر میرے دلِ آزاد منش کی سادہ مزاجی یاد نہیں
تو اپنی نگاہِ شوخ کی تم رنگین طبیعت یاد کرو

جب زیرِ قدم تھیں قسمت کی ہنستی ہوئی راہیں یاد کرو
جب دیدہ و دل کو ملتی تھیں جلووں میں پناہیں یاد کرو
افشائے محبت کا تم کو محفل میں اگر کچھ خوف نہ تھا
کیوں مجھ سے چرائی جاتی تھیں رہ رہ کے نگاہیں یاد کرو

جب بربطِ دل کا وجد میں تھا مخمور ترانہ یاد کرو
جب ماضی و حال و مستقبل تھا ایک زمانہ یاد کرو
تم گوشِ برآواز آج نہ ہو، تاروں کی خموشی شاہد ہے
خود اپنی زباں سے دہراتے تھے میرا فسانہ یاد کرو

شبنم کے خنک جلووں میں نہا کر سیرِ گلستاں یاد کرو
کلیوں کا تبسم ہنستے ہوئے پھولوں کے چراغاں یاد کرو
ہیں جذبۂ وحشت کا موجد تم جوشِ جوانی کے خالق
وہ جوشِ جوانی جس سے پھٹا پڑتا تھا گریباں یاد کرو

نرگس کے شرابِ حیرت سے لبریز سفینے یاد کرو
پیشانیٔ گل سے بہتے ہوئے رنگین پسینے یاد کرو
تاروں کے دھڑکتے دل کی اگر خاموش صدائیں خوب نہ تھیں
تو انجمن آرا کلیوں کے ابھرے ہوئے سینے یاد کرو

آئینۂ شبنم میں عکسِ جامِ مئے لعلیں یاد کرو
پیمانۂ ساقیٔ فطرت میں سرمایۂ تسکیں یاد کرو
گر سوئے ہوئے ارمانوں کی تم خوابِ پریشاں بھول گئے
تو ہنستی ہوئی امیدوں کے منصوبۂ رنگیں یاد کرو

غزلیات

زندگی کو تو مری عقدۂ مشکل نہ بنا
برق رکھدے مرے سینے میں مگر دل نہ بنا

غزلیات

فریبِ دیر و حرم میں آ کر طوافِ جام و سبو نہ کرنا
گناہ ہے رند مشربی میں گناہ کی آرزو نہ کرنا

بیاں سے کیا خاک شدّتِ سوزِ غم کا اندازہ ہو سکیگا
گذارشِ حالِ واقعی ہے مریض کا گفتگو نہ کرنا

اگر تجھے گلستانِ ہستی میں ہے پر و بال کی ضرورت
تو شاخِ گل پر کبھی مرتّبِ نشیمنِ رنگ و بو نہ کرنا

طلوع ہوتا ہے آفتابِ خودی گریبانِ بیخودی سے
تجسسِ عقل گمرہی ہے تو بھول کر جستجو نہ کرنا

ہو حسن کی رائے میں شکستِ خودی کہ توہینِ بے نیازی
عقیدۂ عشق میں تو لیکن حرام ہے آرزو نہ کرنا

یہیں سے اک روز آفتابِ حیاتِ نو پھر طلوع ہوگا
اگر وہ تارِ نظر بھی بخشیں تو چاکِ دل تو رفو نہ کرنا

تری نگاہِ کرم نے ہر انجمن کے آئیں بدل دیئے ہیں
کبھی خموشی ثواب تھی اب عذاب ہے گفتگو نہ کرنا

نماز کیا لغزشِ قدم بھی ہے مستجاب اس کی بارگہ میں
اگر میسر حضورِ دل ہو گناہ بھی بے وضو نہ کرنا

ہوائے سیرِ چمن مبارک، گذارشِ فیض اس قدر ہے
اسیرِ دامِ نگاہ ہو کر تو دل کو بے آبرو نہ کرنا

کیا غضب تو نے یہ اے ذوقِ پشیماں کر دیا ۔۔۔ میرا آنسو اُنکی آنکھوں سے نمایاں کر دیا

تھا مجھے تو خیر پیغامِ جنوں جوشِ بہار ۔۔۔ گل پہ کیا گذری کہ چاک اُسنے گریباں کر دیا

خندۂ گل جلوۂ شبنم، فروغِ ماہتاب ۔۔۔ میں نے جس منظر پہ چاہا انکو عریاں کر دیا

یہ گلِ آتش بجاں یہ لالۂ روشن ضمیر ۔۔۔ اے نسیمِ صبح تو نے تو چراغاں کر دیا

بے نیازِ موسمِ گل تھا مرا جوشِ جنوں ۔۔۔ میں نے جس ذرّے کو ٹھکرایا گلستاں کر دیا

گر مری جانب نظر اُٹھی زہے قسمت، مگر ۔۔۔ تم نے یہ کیا تیر سا جزوِ رگِ جاں کر دیا

میں کوئی نقشِ کفِ پا تھا سرِ راہِ طلب ۔۔۔ آنکھ ابھی کھُلنے نہ پائی تھی کہ حیراں کر دیا

بایقیں لختِ جگر اپنا تھا فرزندِ خلیل ۔۔۔ سرخرو ہر دیدۂ تر ہے کہ قرباں کر دیا

سُن رہا ہوں غنچے غنچے سے انا الحق کی صدا ۔۔۔ کیا مرے دل کو ہم آغوشِ گلستاں کر دیا

نعرۂ رندِ خراباتی نہ لبیکِ حرم ۔۔۔ تو نے اُٹھکر بزم کو شہرِ خموشاں کر دیا

مثلِ گل میں تو چمن میں مسکرایا بھی نہیں ۔۔۔ پھر مجھے کس جرم میں تو نے پریشاں کر دیا

ہاتھ ابھی اُٹھنے نہ پایا تھا بہنگامِ جنوں ۔۔۔ کہکشاں نے ہنسکے پیش اپنا گریباں کر دیا

شام سرمہ در گلو ہے تو سحر پنبہ بگوش
کس جہاں میں فیضؔ کو تو نے غزلخواں کر دیا

ہر سحر رنگیں نوا، ہر شام خوش آہنگ ہے
یہ جوانی ہے کہ فردوسِ رباب و چنگ ہے

جورِ پیہم سے تعجب کیا اگر دل تنگ ہے
وہ ہنسی جو حد سے بڑھ جائے پیامِ جنگ ہے

بے خبر بھی اے اسیرِ جلوۂ صد رنگ ہے
دل کے آئینے کو عکسِ لالہ و گل زنگ ہے

عہد عہدِ ناتواں، ہر عذر عذرِ لنگ ہے
کیا یہی تہذیب، شمعِ محفلِ افرنگ ہے

تم نہیں تو اک دلِ مغموم پر کیا منحصر
ہر گلِ فردوس تصویرِ شکستہ رنگ ہے

وہ اگر شعلہ زنِ دل ہوں تو حسنِ التفات
دل اگر شکوہ کنِ سوزِ دروں ہو ننگ ہے

کیا حریفِ صحبتِ بیگانہ ہو طبعِ لطیف
سینۂ شبنم پہ برگِ سبزۂ تر سنگ ہے

وہ شکستِ دل جو ہو مرہونِ ضربِ فکرِ دوست
جنبشِ مستی کو بہرِ روشِ ساز خوش آہنگ ہے

لوحِ ہستی پہ نہیں اک شے بھی مرفوع القلم
نقطۂ سہو اس جگہ نقطہ نہیں فرسنگ ہے

خطرۂ رہزن سے بڑھ کر ہو جہاں احسانِ خضر
اک قدم اس جادۂ الفت میں سو فرسنگ ہے

کاش وہ پھر ہوں یہیں کاوشِ قطع و برید
گو قبائے زندگی رنگیں ہے لیکن تنگ ہے

خندۂ گل ہو رہیں گریۂ شبنم جہاں
وہ جہانِ رنگ و بو بھی فیضِ اک نیرنگ ہے

ستم کشِ برق و باد و باراں، شہید گلچین و باغباں ہے
نہ جا تو غنچے کی خامشی پر الف سے یے تک وہ رازداں ہے
نہ قصۂ غم شنیدنی ہے، نہ حالِ دل درخورِ بیاں ہے
وہ قطرۂ اشک جو مژہ پر مچل گیا اپنی داستاں ہے
قدم قدم پر ہے دام دوانہ نفس نفس پر غمِ خزاں ہے
میں اس گلستاں سے باز آیا اگر یہی رنگِ گلستاں ہے
کلی کے سینے میں رازِ مخفی، گلوں کے عارض پہ حسنِ عریاں
ترا جمالِ بہار آرا کہیں نہاں ہے کہیں عیاں ہے
ملا وہ کنجِ قفس میں ہم کو سکونِ مایوسیِ مسلسل
کہ عالمِ قید و بند کی سختیوں میں آرامِ آشیاں ہے
تو اشکِ شبنم کو رائگاں کہہ، کہ خندۂ گل کو کار آمد
مگر مرا تجربہ تو یہ ہے کہ غم مسرت کا پاسباں ہے

گذر چکے رہروانِ اُلفت حدُودِ قلب و نظر سے لیکن
تری جبینِ نیاز ابھی تک اسی طرح وقفِ آستاں ہے

ہنسیں نہ اہلِ خرد ہمارے جنوں کی وحشت طرازیوں پر
جسے وہ رہزن سمجھ رہے ہیں دراصل وہ میرِ کارواں ہے

بہرِ زمانہ دل و نظر کو چمن میں ہے احتیاط لازم
خزاں بھی ہے ایک آزمائش بہار بھی ایک امتحاں ہے

چمن میں صیاد کا کوئی جا کر اہتمامِ فریب دیکھے
زباں پہ ذکرِ بہارِ رنگیں نگاہ میں شاخِ آشیاں ہے

عروجِ قلب و نظر جو چاہے تو گردِ راہِ نیاز ہو جا
یہی وہ پستی ہے فیض جس میں بلندیِ ہفت آسماں ہے

اندیشۂ عمل نہ خیالِ نجات ہے
صبحِ حرم سی مست جوانی کی رات ہے

دل کی اگر بقا تو نظر کا ثبات ہے
آنسو جو مستجاب ہو آبِ حیات ہے

طوفانِ عام زلزلۂ کائنات ہے
کیا زندگی مریضِ محبت کی رات ہے

فکرِ نشیمن و غمِ گل سے نجات ہے
بجلی مرے لئے نگہِ التفات ہے

وہ اک نظر کہ جائزۂ دل نہ لے سکے
کیا فائدہ جو ممتحنِ کائنات ہے

ماتم نہ کیوں کروں دلِ ساحل نصیب کا
اس بحرِ زندگی میں تلاطم حیات ہے

یہ امتیازِ وحدت و کثرت بجا سہی
لیکن قیامِ ذات بقیدِ صفات ہے

اہلِ چمن نگاہ رکھیں انقلاب پر
رنگِ خزاں بھی گل کی طرح بے ثبات ہے

گلشن میں فیض مسئلۂ رنگ و بو نہ چھیڑ
یہ امتیاز قلب و نظر کی وفات ہے

کچھ مکدر سا سرِ بالیں تجھے پاتا ہوں میں
لے چراغِ صبح سے پہلے بجھا جاتا ہوں میں

کشتۂ غم کو دمِ عیسیٰ تو زندہ کر چکا
لیجئے اب اُن کے دامن کی ہوا لاتا ہوں میں

جسقدر پامال کرتے ہیں وہ راہِ عشق میں
صورتِ نقشِ کفِ پا اور اُبھر آتا ہوں میں

شمع نے کھینچی وہ تصویرِ مآلِ زندگی
ہر نسیمِ صبح کے جھونکے پہ تھراتا ہوں میں

میکدہ بالکل حقیقت ہی حرم صرف اعتقاد
محتسب اب دیکھنا یہ ہے کدھر جاتا ہوں میں

صبحدم کچھ اس طرح دل گوش بر آواز تھا
جب کسی غنچے نے چٹکی لی کہا آتا ہوں میں

اب خدا معلوم دل ہے کس مقام عشق پر
وہ جفاؤں پر جفا کرتے ہیں شرماتا ہوں میں

دیکھئے کب ہو میسر عشرت ساحل مجھے
زندگی اک قلزم غم ہے بہا جاتا ہوں میں

محتسب خوف شکست ساغر رنگیں نہ پوچھ
جب کوئی غنچہ چٹکتا ہے لرز جاتا ہوں میں

کشتگان یاس کو اے فیض پیغام حیات
بر بط دل پر بطرز نو غزل گاتا ہوں میں

وہ مسکرائیں اسیران رنگ و بو کے لئے
شعور چاہیئے پھولوں کو آرزو کے لئے

شہید خندۂ گل اے اسیر جلوۂ مہ
نظر کو گرمی دل چاہیئے نمو کے لئے

یہ کیا کہا سر محفل نگاہ قاتل نے
مچل رہی ہے ہر اک شے مرے لہو کے لئے

اٹھا کے صحن چمن میں نقاب لالہ و گل
مزے بہار نے تشہیر رنگ و بو کیلئے

فقط نظر کو چراغ رہ طلب نہ سمجھ
ضرور گمشدگی بھی ہے جستجو کے لئے

جبینِ صبح پہ روشن چراغِ طور نہیں
وہ آ گئے ہیں سرِ بام گفتگو کیلئے

غرورِ چاکِ جنوں فیضؔ سرنگوں نہ ہوا
ہزار خارِ مغیلاں بڑھے رفو کیلئے

ابھی ابھی تبسم ابھی حجاب میں ہے
زمانے بھر کا تلوّن ترے شباب میں ہے

ضمیرِ لوح و قلم جس سے پیچ و تاب میں ہے
وہ راز میرے دلِ خانماں خراب میں ہے

تصور اس کا مرے دیدۂ پُر آب میں ہے
جو بے حجاب بھی ہو کر ابھی حجاب میں ہے

نگاہِ حسن سے صبحِ ازل جو کوندی تھی
وہ برق دیکھ مرے ساغرِ شراب میں ہے

بس ایک سبزۂ بیگانہ پر نہیں موقوف
یہ وہ چمن ہے جہاں ذرّہ ذرّہ خواب میں ہے

لکھا تھا کلکِ ازل نے جو حسن و مستی پہ
وہ تبصرہ بھی تری چشمِ نیم خواب میں ہے

بالاتفاق تم اب بن گئے ہو مرکزِ حسن
یہی تو بات مرے حُسنِ انتخاب میں ہے

خیالِ ترکِ محبت درست فیضؔ مگر
میں پوچھتا ہوں یہ امکان انتخاب میں ہے

یدِ بیضائے رُخِ یوسف دلِ منصُور ہوتے ہیں
جو تو دیکھے تو ذرّے بھی چراغِ طُور ہوتے ہیں

مگر اِس نکتے کو کچھ سمجھا تو سرو و یا گُل سمجھا
کہ باغِ دہر میں آزاد بھی مجبُور ہوتے ہیں

شبابِ مست کی ڈھلتی ہوئی تاریک راتوں پر
سحر ہنستی ہے یا مُوئے سیہ کافور ہوتے ہیں

ہو سدِّ راہ کیوں تیرے لئے سنگِ وجُود اپنا
تو بیبا کانہ پا ئے ناز اُٹھا ہم دُور ہوتے ہیں

یہ میخانہ ہے اے شیخِ حرم لغزیدہ پا ہو جا
کہ اک ٹھوکر سے پیدا اِس جگہ سَو طُور ہوتے ہیں

سرِ جمشید کو خشتِ خُمِ صہبا سے ٹکرا دیں
گدائے میکدہ بھی کسقدر مغرور ہوتے ہیں

حقارت کی نظر سے خرقہ پوشوں کو نہ دیکھ اے دل
کہ اکثر اِنمیں اپنے عہد کے منصُور ہوتے ہیں

ہٹیا سنگِ درِ اے نامرادِ زندگی کر لے
کہ جینے کیطرح مرنے کے بھی دستور ہوتے ہیں

نہ ہو خونِ جگر جن میں نہ آوازِ شکستِ دل
وہ آنسو ہوں کہ نالے فیض نامنظُور ہوتے ہیں

مددِ اے ضبط شمعِ زندگی لہرائی جاتی ہے
فغاں کیساتھ کھنچکر جاں لبوں پر آئی جاتی ہے

اگر تو زندگی چاہے تو جاں نذرِ وفا کر دے
یہی وہ جنسِ نادر ہے جو کھو کر پائی جاتی ہے

دلِ آشفتہ ساماں باریابِ انجمن کیوں ہو   کہ اسکے رنج سے تیری خوشی شرمائی جاتی ہے

خدا محفوظ رکھے ہم نوایانِ گلستاں کو   طبیعت کیوں قفس میں خود بخود گھبرائی جاتی ہے

دلِ ایذا طلب کو مژدۂ آرام بے معنی   یہ وہ کشتی ہے جو طوفان سے ٹکرائی جاتی ہے

خدا ناکردہ بجلی نے اِدھر دیکھا تو کیا ہوگا   شمیمِ گل سے شاخِ آشیاں تھرائی جاتی ہے

وہ ضبطِ آہ پر اے فیضؔ مجھ سے بدگماں کیوں ہیں

نشانِ غم خموشی ہے لہذا پائی جاتی ہے

میں نے آغوشِ تصوّر میں تمہیں کیا دیکھا   جگنو چمکا تو میں سمجھا یدِ بیضا دیکھا

منکشف جب سببِ پرسشِ اعمال ہوا   حشر کو جلوہ گہِ وعدۂ فردا دیکھا

میں نے ہر ماہِ دو ہفتہ کو بوقتِ پیری   جلوۂ صبح میں کھویا ہوا تارا دیکھا

لے کر انگڑائی اٹھی جب نگہِ حسنِ طلب   ذرّے ذرّے میں انہیں انجمن آرا دیکھا

آج بھی بیٹھے ہوئے ہیں وہ پسِ پردۂ حشر   دیکھا اے منتظرِ وعدۂ فردا دیکھا

میرے نالے ادب آگاہِ محبّت نہ سہی   آپ نے زخمِ جگر کیوں بہ تقاضا دیکھا

جب ہوا انجمنِ گل میں ورودِ شبنم | مرتسم دل پہ ترا نقشِ کفِ پا دیکھا
نبض پہ ہاتھ، نظر سوئے فلک، مہر بلب | چارہ گر خیر تو ہے کچھ تو بتا کیا دیکھا

فیض کیا کیا دل اہلِ نگاہِ تصور نہ ہوا
میں نے جب پہلوئے مہتاب میں تارا دیکھا

اک بادۂ سیمابی برسا مہ و اختر سے | نکلے جو تڑپ کر وہ چاکِ دلِ مضطر سے
اک عشرتِ لافانی، اک دردِ دلِ بقا پرور | میزانِ دو عالم میں ہم تم ہیں برابر سے
کھلتا ہے بہ آسانی کب عقدۂ مجبوری | ایسے میں تو کام اے دل لے ناخنِ خنجر سے
اک سعئ نظارہ پھر اے چشمِ تماشائی | شاید نہ نقاب اٹھے پھر اس رخِ انور سے
آؤ غمِ پرسش کیا میں شکوے سے باز آیا | تم چار قدم پیچھے کیوں ہو صفِ محشر سے
اک گردِ دل و جاں تھی، منزل کی تن آسانی | رہزن سے زیادہ ہے شکوہ مجھے رہبر سے

اے فیض تقاضائے تہذیبِ نظر یہ ہے
دیکھ اس بتِ کافر کو چشمِ مہ و اختر سے

جو اشکِ دل گداز میں شرر نہ ہو لہو نہ ہو

یہ واقعہ ہے عشقِ سادہ لوح سرخرو نہ ہو

ضرورتِ سحر مجھے نہ خواہشِ شگفتِ گل

وہ چاکِ پیرہن ملے جو حشر تک رفو نہ ہو

جو رہ گذر میں پس گیا ترے خرامِ ناز سے

وہ ذرۂ خموش بھی جبینِ آرزو نہ ہو

جسے غبارِ رہگذر سمجھ کے تو گذر گیا

خیال کر کبھی وہی مقامِ جستجو نہ ہو

تو گلشنِ حیات سے نسیم کی طرح گذر!

فریبِ خار و خس نہ کھا اسیرِ رنگ و بو نہ ہو

سرِ غرور جھک گیا، جبیں پر آب ہو گئی

وہ حالِ دل سمجھ گئے ہزار گفتگو نہ ہو

نگاہ خام ہے ابھی جنوں میں پختگی نہیں
اسی میں خیر ہے تری وہ شوخ روبرو نہ ہو

نظارۂ جمال بھی یقیناً اِک گناہ ہے
مٹے ادب سے فیض اگر نگاہ کا وضو نہ ہو

مآلِ رنگِ چمن چشمِ اشکبار میں ہے
جو گل ہے داغِ خزاں سینۂ بہار میں ہے

فروغِ دیدۂ یعقوب ہے کسے معلوم
وہ کارواں جو ابھی پردۂ غبار میں ہے

بچا سکیں گے نہ یہ نغمہ ہائے چنگ و رباب
سپر اُٹھا کہ تو میدانِ کارزار میں ہے

بالاتفاق ہی منزل گہِ مہ و خورشید
ترا وہ نقشِ کفِ پا جو رہگذار میں ہے

عجیب شے ہے برائے مرقعۂ ہستی
وہ رنگِ جبر جو تصویرِ اختیار میں ہے

ورائے منصبِ معصومیت ہی میرا گناہ
کہ اس کا ہاتھ بھی تخلیقِ روزگار میں ہے

جسے کوئی بجز اہلِ نظر سمجھ نہ سکا
وہ مصلحت بھی جنونِ خرد شکار میں ہے

شہیدِ خنجرِ ابرو کبھی نہیں مرتے
تو آنکھ اُٹھا کہ ابھی فیض انتظار میں ہے

نشاطِ رُوح وجہِ گرمیِ محفل نہیں ہوتا | وہ اک نغمہ جو آوازِ شکستِ دل نہیں ہوتا
بجز صحرا نوردی اور کچھ حاصل نہیں ہوتا | اگر دستِ جنوں پردہ کشِ محمل نہیں ہوتا
حقیقت آشنا رنگِ رُخِ باطل نہیں ہوتا | کہ غنچہ ٹوٹ کر بھی ہمنوائے دل نہیں ہوتا
یقیناً ہی ابھی نا واقفِ رسم و رہِ منزل | وہ خضرِ راہ جو گم کردۂ منزل نہیں ہوتا
ذرا تیرِ حدف جو سوچکر عزمِ پر افشانی | کہ فردوسِ دو عالم خونبہائے دل نہیں ہوتا
تو بحرِ عشق میں دل کو ہم آغوشِ تلاطم رکھ | یہ وہ موتی ہی جو پروردۂ ساحل نہیں ہوتا

مجھے حاصل ہی فیض اس درگہِ اعلیٰ کی دربانی
سکندر بھی جہاں ہمرتبۂ سائل نہیں ہوتا

گلِ رنگیں مہِ کامل کہاں ہے | مجھے آواز دے اے دل کہاں ہے
ہے خود گمراہ عقلِ مصلحت بیں | جنوں سے پوچھیے منزل کہاں ہے
ہر اک شے اس محیطِ زندگی میں | فریبِ موج ہے ساحل کہاں ہے
نہ اٹھلا اے نسیمِ صبح گاہی | خدا جانے مرا اب دل کہاں ہے

در ماضی، جبینِ حال کب تک | بتا اے میرِ مستقبل کہاں ہے
نہ معلوم اے سکونِ کامرانی | وہ لطفِ سعیِ لاحاصل کہاں ہے
بہار آئے گی اشک سادہ رو پر | ابھی خونِ جگر شامل کہاں ہے
وہ دل جس کو میسّر ہے حضوری | اسیرِ بزمِ آب و گل کہاں ہے

جسے سمجھا ہے فیضِ آئینۂ حق
وہ بے عکسِ رُخِ باطل کہاں ہے

راقم الحروف حافظ محمد افضل محمود رقم
دھیلے